تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

موسمِ بہار

بہار کا موسم آتے ہی دہر میں روح پرور ہوائیں چلنے لگتی ہیں، سوئی ہوئی امنگیں جاگ اٹھتی ہیں اور چستی وتوانائی کا دور دورہ شروع ہوجاتا ہے، جسم ومادہ کی کائنات میں آفتاب کا ایک پورا دور گذر جانے کے بعد یہ موسم آتا ہے اور طبیبوں کا بیان ہے کہ جسم سے مادہ فاسد وضع کرنے اور مسہل لینے کا یہ بہترین زمانہ ہے، ٹھیک اسی طرح روح وجسم کی کائنات میں بھی چاند کا ایک دور گذر جانے کے بعد موسم بہار آتا ہے، ماہتاب کو عشق کے سودا زادوں سے مناسبت ہے، ظاہر ہے ماہتاب جب اپنے سالانہ سفر کا چکر ختم کرتا ہے تو عشق ومحبت کی اقلیم میں پھر شوریدگی وجنون کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں اور سال کے گیارہ مہینے کے اندر غیریت کی جو کدورتیں جم جاتی ہیں طبیعت ان کے دفع کرنے کے لئے بے قرار ہوجاتی ہے، اس لئے رحمت کاملہ ومحبوبیت مطلقہ نے اپنے وفا شعاروں اپنے مسترشدوں کے لئے ایک خاص مہینہ، ماسوا سے بے تعلق وبے نیاز رہنے کا مقرر کردیا جس کو اصطلاح میں ''رمضان'' سے موسوم کرتے ہیں۔

(مولانا عبدالماجد دریابادی)

Rs.10/-

۱۰ ستمبر ۲۰۰۷ء

Postal Regd. No LW/NP/63/2006to2008
R. N. I. No. UP. Urd/2001/6071

Fortnightly

Vol. No. 44 Issue No. 20

Tameer-e-Hayat
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-07

Ph. Off: 0522-2740406
Fax: 0522- 2741834 - 2741231
E-mail: nadwa@sancharnet.in

25. Aug. 2007

Mobile: 09415786548

Phone: Shop. 0522-2274606
(R) 0522-2616731

Mohd. Akram
Jewellers
Near Odeon Cinema, Lucknow

محمد اکرم جویلرس

MEENA
QUALITY CAKE

مینا بیکری

MEENA BAKERY
Specialist In:
Bread, Bunds, Cakes, Biscuits, Pasteries, Rusk, Birthday Cakes, Paties, Rolls etc

337 Phool Bagh, Lucknow-226001
Ph: 2629448

Ph:2266786
Mob:9415015169

ثناء جویلرس

SANA JEWELLERS

Riyaz Ahmad
Ghyas Ahma

۱۲/۳۰۱ سرائے بانس، اکبری گیٹ، چوک لکھنؤ-۳

301/12, Sarai Bans
Akbari Gate, Chowk, Lucknow-3

لکھنؤ کے قدیم مشہور ومعروف صندل سے تیار کردہ

خوشبودار عطریات

روغنیات، عرقیات، کولر پرفیوم، کار پرفیوم، روم فریشنر، فلور پرفیوم، روح گلاب، روح کیوڑہ، عرق گلاب، عرق کیوڑہ، اگربتی، ہربل پروڈکٹ

کی ایک قابل اعتماد دوکان

ایک مرتبہ تشریف لاکر خدمت کا موقع دیں

تیار کردہ

اظہار سن پرفیومرس

اکبری گیٹ، چوک لکھنؤ
برانچ: C-5، جنپتھ مارکٹ، حضرت گنج

IZHARSON PERFUMERS
H.O.: Akbari Gate, Chowk, Lucknow.
Tel.: 0522-2255257 Mobile : +91-9415009102
Branch : C-5 Janpath Market, Hazratganj
Lucknow 226001 U.P. INDIA Cell 91-9415784932
E-mail : izharsonperfumers@yahoo.com

Res: 2226177
Akbari Gate
2268845

Shops: 9415002332
2613736
3958875

حاجی صفی اللہ جویلرس

گڑبڑ جھالہ کے سامنے امین آباد لکھنؤ

HAJI SAFIULLAH JEWELLERS
Opp: Gadbad Jhala Aminabad, Lucknow-18

Editer: *Shamsul Haq Nadwi* Office. Ph: 2740406 Printed & Published by *Athar Husain*
On behalf Majlis-e-Sahafat-wa-Nashriyat at Azad Printing Press Mahboob Building Nazirabad, Lko. Ph:0522-2614685

DESIGNED BY HAMID, DALIGANJ LUCKNOW. Mobile: 9415769282

پندرہ روزہ

تعمیرِ حیات

لکھنؤ

جلد نمبر ۴۴ — شمارہ نمبر ۲۱

۱۰ ستمبر ۲۰۰۷ء مطابق ۲۷ شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ

زیر سرپرستی

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

پروفیسر وصی احمد صدیقی

(معتمد مال ندوۃ العلماء لکھنؤ)

زیر نگرانی

مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی

(ناظر عام ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر عام: مولانا شمس الحق ندوی

مدیر مسئول: مولانا مذر الحفیظ ندوی

نائب مدیر

محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت

● مولانا عبداللہ حسنی ندوی ● مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری

● امین الدین شجاع الدین

سالانہ زرتعاون ۲۰۰/ ——— فی شمارہ ۱۰/

ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے ۴۰/ ڈالر

ڈرافٹ میجر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء، لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں، چیک سے بھیجی جانے والی رقم قابل قبول نہ ہوگی۔ اس میں ادارہ کا نقصان ہوتا ہے۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

Tameer-e-Hayat

P.O.Box No.93 Tagormarg, Badshah Bagh, Lucknow-7

E-mail: nadwa@sancharnet.in Ph: (0522) 2740406

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

آپ کے خریداری نمبر کے پیچھے گرکالی لکیر ہے تو سمجھئے کہ آپ کا زرتعاون ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا جلد ہی زرتعاون ارسال کریں اور بھی آدھا کور کہن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، اگر موبائل یا فون نمبر ہو تو اپنے شہر کے کوڈ نمبر کے ساتھ لکھئے۔ (شعبہ تعمیر حیات)

پرنٹر وپبلشر اطہر حسین نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات نیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

Computer Tameer-e-Hayat (Hashmat Ali)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِس شمارے میں

شعروا دب

جس نے ستایا اس نے دعا لی — مولانا محمد ثانی حسنی — ۲

اداریہ

مبارک مہینہ کے مبارک لوگ — شمس الحق ندوی — ۳

ماہ مبارک

روزہ کا سب سے بڑا معنوی مقصد — علامہ سید سلیمان ندوی — ۵

اسلامی دنیا

عطا مومن کو پھر درگاہ حق سے ہونے — حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی — ۸

اعجاز قرآنی

آیات قرآنی کے اعجاز کے نمونے — ڈاکٹر عودہ ابوعودہ/محمد سعدان خلیفہ ندوی — ۹

شعور وآگہی

قیامت کی ایک علامت — بلال عبدالحی حسنی ندوی — ۱۱

شخصیت

ایک شیخ: ترکی کا وزیر اعظم — مذر الحفیظ ندوی — ۱۲

محاسبہ

آشکارا ہو نہ جائے شرع پیغمبر کہیں — ڈاکٹر صلاح سلطان/محمد جاوید اختر ندوی — ۱۴

ہندوستانی مسلمان

جشن آزادی اور مسلمان — انیس احمد ندوی — ۱۶

تاریخ یہود

دنیا کی بدترین قوم کی بدترین تاریخ — محمد وثیق ندوی — ۱۹

تعارف

خلافت عثمانیہ کا ایک عظیم کارنامہ — منور سلطان ندوی — ۲۱

جائزہ

امریکی معاشرہ — سلمان نسیم ندوی — ۲۳

ایک مطالعہ

مشاہدات ووارادات — شمس الحق ندوی — ۲۷

وفیات

حضرت مولانا اطہر حسین صاحب مظاہری — محمود حسن حسنی ندوی — ۲۸

اپیل

اہل خیر حضرات کی خدمت میں — شعبہ تعمیر وترقی ندوۃ العلماء — ۳۰

Ph:2260433

جدید دلکش سونے، چاندی کے زیورات کیلئے ہمارے شوروم

گہنہ پیلیس

میں آپ کا خیر مقدم ہے

Gehna Palace

Whenever you see Jewellery
Think of us

حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد معروف خاں، محمد فاروق خاں (چاند)

ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ، چوک لکھنؤ

Abdullah Malik (Managing Director) Ph: 0522-2266824, 2252789, (O) 2240999

S. Abdul Malik & Sons

Our World Famous Perfumes Exporters, Importers & Manufacturing Perfumesetc

Shamamatul Amber , Keora, Gulab, Ruh Khus, Ruh Gulab, Mohsin Shamama, Malik Shamama

253/28, Nadan Mahal Road, Nakkhas , Lucknow, U. P. (India)

شعروادب

جس نے ستایا اس نے دعا لی

از ..... مولانا محمد ثانی حسنیؒ

سارا جہاں تھا نور سے خالی — کفر کی شب تھی کالی کالی
گہرا سمندر موجیں بلا کی — ایک تھی کشتی ڈوبنے والی
بھیجا خدا نے ایک نبی کو — ڈوبتی کشتی جس نے نکالی
سارا عالم ہوگیا روشن — بھٹکے ہوؤں نے راہ بھی پالی
نامِ محمدؐ کتنا پیارا — ذات گرامی کتنی عالی
حسن سراپا خلق مجسم — اپنے پرائے سب کے والی
چاند بھی دم بھر تاب نہ لائے — آپ کا چہرہ اتنا جمالی
جان کا دشمن پھر بھی محبت — جس نے ستایا اس نے دعا لی
قتل جوکرنے آپ کو آیا — سامنے پہونچا آنکھ جھکا لی
فرش سے پہونچا عرش تلک وہ — جس پہ نظر اک آپ نے ڈالی
آپ کی جس میں ہو نہ محبت — دل ہے وہ ایمان سے خالی
نعت نبی میں مست چمن کا — پتہ پتہ ڈالی ڈالی
اپنی اپنی سب کی نظر ہے — کوئی حقیقی کوئی خیالی
تیری نظر میں شیش محل ہے — میری نظر میں نور کی جالی
جس کا وطن بن جائے مدینہ — اس نے قسمت اپنی جگالی
خالق عشق مہر و محبت — مالک و رحماں برتر و عالی

صدقہ کرم کا تیرے خدایا
مجھ کو عطا کر عشق بلالی

اداریہ

مبارک مہینہ کے مبارک لوگ

از ..... شمس الحق ندوی

شب وروز کی گردش اور سورج کے طلوع وغروب کا ایک سلسلہ ہے، جس میں کسی آن وکسی لمحہ کوئی فرق نہیں پڑتا، دن کے بعد رات، رات کے بعد دن۔

﴿جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا﴾ (فرقان: ٦٢) رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا بنایا، (یہ باتیں) اس شخص کے لیے ہیں جو غور کرنا چاہے یا شکر گزاری کا ارادہ کرے۔

یہ سلسلۂ روز وشب اللہ کا انعام ہے اُن بندوں کے لیے جو اپنے رب کی نوازشوں کی قدر کرتے ہیں اور نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

اس وقت ہم کو وہ مبارک ساعات نصیب ہیں جن میں رحمتِ خداوندی کی جھڑی لگی رہتی ہے، خیر وبرکت کی پیہم بارش ہوتی رہتی ہے۔

یہ مبارک مہینہ سال بھر پہلے بھی آیا تھا، آتا رہا ہے اور آتا رہے گا اس میں ذرا تخلف نہ ہوگا، دینے والے داتا کے جود وسخا میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں، نہ اس کے خزانۂ رحمت میں کوئی کمی آئی ہے، بات لینے والے کی ہے کہ وہ کیسا حوصلہ مند ہے، جتنا جس کا حوصلہ بلند ہوگا اتنا ہی وہ اس موسم بہار سے اپنا دامن مراد بھرے گا۔

کہنے کو تو ایک سال ختم ہوا دوسرا سال شروع ہوا لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے گھر بار، مال ومنال، آل واولاد اور دوست واحباب سے ایک سال دور، اور فراق وجدائی، تنہائی وبے کسی، یعنی قبر کی تنگ وتاریک کوٹھری سے ایک سال قریب ہوگیا، مگر غفلت کا مارا انسان کبھی اس پر غور نہیں کرتا، امیدوں اور آرزؤں میں اپنی گرانمایہ متاعِ حیات کو ضائع کرتا رہتا ہے، وہ انسان جو اپنے گھر سے ایک سال دور اور قبر سے ایک سال قریب ہوگیا، اس کو جب ایسی خیر وبرکت اور مغفرت وبخشش کی گھڑیاں نصیب ہوجائیں اس کو اپنی بگڑی بنانے کے لیے کیا کچھ نہ کرنا چاہئے، ذکر وتلاوت، توبہ واستغفار میں مشغول ومنہمک رہنا چاہئے، اپنی بھوک پیاس کے وقت یتیموں، بیواؤں اور فقراء ومساکین کی حالت پر غور کرنا چاہئے، اور پھر بقدر استطاعت ان کی اعانت کے لیے اپنی مٹھی کھول دینا چاہئے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: یہ مہینہ لوگوں کے ساتھ غمخواری اور حاجت برآری کا ہے، ہم نے اوپر عرض کیا کہ رمضان المبارک کی آمد خیر وبرکت کے اعلان کے ساتھ اس کا بھی اعلان ہے کہ ہم دنیا اور علائق دنیا سے ایک سال دور اور آخرت یعنی پوچھ تاچھ اور حساب یوم حساب سے ایک سال قریب ہوگئے، یہ تصور بندے میں ایک اضطراب وگھبراہٹ کی کیفیت وفکر پیدا کرتا ہے، بندہ اب کیا کرے؟ کس کا سہارا لے؟ کس کی دہائی دے؟ جو معاف کرنے والا ہے، اپنے مضطرب بندوں کی پکار سننے والا ہے اس کو کہاں ڈھونڈے، اس سے کیسے لَو لگائے، اس کی چوکھٹ پر کیسے پیشانی رگڑے اور مانگے وگڑگڑائے، آقائے نامدار نے اپنے ان مضطرب بندوں کو اپنا پتہ بتایا اور اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا:

﴿واذا سألك عبادي عني فاني قريب أجيب دعوة الداع اذا دعان فليستجيبوا لي وليومنوا بي لعلهم يرشدون﴾ (سورۂ بقرہ: ۱۸۵ تا ۱۸۶) اور (اے پیغمبر) جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو (کہدو کہ) میں تو تمہارے پاس ہوں، جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو اُن کو چاہئے کہ میرے حکموں کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ نیک راستہ پائیں۔

کوئی حد ہے آقا کے رحمٰن اور رحیم ہونے کی کہ پتہ بھی بتایا اور رحمت کے دروازے چوپٹ کھولدیئے، فرمایا: تم ہماری طرف ایک ہاتھ بڑھتے ہو تو ہم دو ہاتھ بڑھتے ہیں، تم چل کر آتے ہو تو ہم دوڑ کر آتے ہیں، یہ تو ہر آن وہر لمحہ کی بات ہے، فرمایا: ہم تمہارے لیے رحمت کا ایک بازار لگا دیتے ہیں اور سرکش شیاطین کو بند کر دیتے ہیں، تم مانگتے جاؤ ہم دیتے جائیں، تم مانگ کر تھک جاؤ گے، ہم دینے سے نہ تھکیں گے، نہ ہمارے خزانۂ عامرہ میں کوئی کمی آئے گی۔ فرمایا:

﴿يا أيها الذين آمنوا كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم لعلكم تتقون﴾ (بقرہ: ۱۸۳) مومنو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بنو۔

اس ادائیگی فرض کا صلہ یہ ہے کہ تمہارے منہ سے غلومعدہ کے سبب آنے والی بو بھی ہم کو مشک سے زیادہ محبوب ہوگی، تم طلوع صبح سے قبل سحری سے ہاتھ اٹھالو گے تو ہم

اس پر بھی تم کو نوازیں گے اور آفتاب غروب ہوتے ہی لپک کر افطاری کی طرف ہاتھ بڑھا دو گے تو اس پر بھی نہال کریں گے، کسی روزہ دار کو افطار کرا دو گے تو اتنا ہی دیں گے جتنا اس روزہ دار کو، اور اس کے اجر میں کوئی کمی نہ کریں گے۔

فرمایا: روزہ کا صلہ میں خود ہوں گا یا (باختلاف روایت) صلہ میں خود ہوں گا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جب ہم کو یہ معلوم ہوا کہ ہم دنیا سے ایک سال دور اور آخرت سے ایک سال قریب ہو گئے اور اب یہ رحمت و مغفرت کا بازار لگا ہے تو ہمیں کیا کرنا چاہئے اور ان مبارک گھڑیوں سے کیسا فائدہ اٹھانا چاہئے، تراویح کا اہتمام، ذکر و تلاوت میں مشغولیت، لایعنی و بدکلامی سے پرہیز، اللہ کے محتاج بندوں کی مدد و تعاون، غصہ و جھنجھلاہٹ سے بچنا، اور اس مبارک مہینہ کے ایک ایک لمحہ سے فائدہ اٹھانے کی فکر کرنا، یہ ہمارا شیوہ ہونا چاہئے، یہ یاد رکھئے کہ رمضان المبارک کی خیر و برکت ویسے ہی قائم و دائم ہے جیسے اللہ کے رسول نے بتایا اور سنایا ہے مگر کمی ہمارے مانگنے اور لینے میں آ گئی ہے، ہم روزہ بھی رکھتے ہیں اور دوسروں کا حق بھی مارتے ہیں، ہم روزہ بھی رکھتے ہیں اور زبان و نگاہ کو آزاد چھوڑ دیتے ہیں، ہمارے روزے افطار و سحری کے اہتمام پر ختم ہو جاتے ہیں، یہ بڑی محرومی و بدنصیبی کی بات ہے، اس غفلت سے اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے اور ان مبارک دنوں کی بھرپور قدر کرنے کی توفیق دے۔ آمین!!

اس کا برابر انتظار رہے کہ ہم دنیا سے ایک سال دور آخرت سے ایک سال قریب ہو چکے ہیں، کیا خبر کہ پیام اجل کب آ جائے، اور ساری دنیا وی آرزوئیں، امیدیں اور امنگیں، منصوبے اور پلان دھرے کے دھرے رہ جائیں ع

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

☆☆☆☆☆

مولانا عبدالکریم پاریکھ کی وفات

داعی الی اللہ، مفسر قرآن مولانا عبدالکریم پاریکھ جن کو اللہ تعالیٰ نے متنوع اور گوناگوں صلاحیتوں سے نوازا تھا، کا مورخہ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۷ء بروز سہ شنبہ انتقال ہو گیا۔

ترجمان قرآن مولانا پاریکھ مفسر و مبلغ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک واعظ خوش بیان بھی تھے، مولانا پاریکھ کو ہندی زبان اور محاوروں پر بھی قدرت حاصل تھی، اس صلاحیت سے وہ غیر مسلموں میں دعوتی کام اور ملی مسائل میں سیاسی رہنماؤں سے گفت و شنید میں خوب فائدہ اٹھاتے تھے، انہوں نے قرآن شریف باقاعدہ حفظ نہیں کیا تھا لیکن کلام پاک سے استدلال میں ان کا استحضار قابل رشک تھا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے ان کا ۱۹۵۰ء میں تعلق قائم ہوا، روز بروز اس تعلق میں اضافہ ہوتا رہا اور پھر یہ تعلق بیعت میں تبدیل ہو گیا اور مجاز بیعت بھی ہوئے، انہوں نے حضرت مولاناؒ کی سربراہی میں دینی و ملی جماعتوں کی نشأۃ ثانیہ اور ان کی کارکردگی، انتخابات میں مسلمانوں کے اندر شعور کو بیدار کرنے، آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت اور مدارس دینیہ وغیرہ کے تعلق سے قابل قدر خدمات انجام دی۔

تحریک "پیام انسانیت" میں مولانا پاریکھ اپنے مخدوم و مربی حضرت مولاناؒ کے قوت بازو، رفیق راہ، اور ہر طرح سے قابل اعتماد ترجمان تھے، مولاناؒ کی وفات کے بعد وہ اس کے صدر بھی ہوئے۔

مولانا پاریکھ قرآن کریم سے متعلق علوم کی اشاعت میں سرگرم اور فعال ادارہ "مجلس تعلیم القرآن" ناگپور کے بانی اور سرپرست تھے، اس کے علاوہ وہ ندوۃ العلماء کے مجلس انتظامی اور مجلس نظامت کے رکن تھے، مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ذمہ داروں میں تھے، علی گڑھ یونیورسٹی کورٹ کے ممبر اور مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ کے رکن رکین تھے۔

انہوں نے اردو، ہندی اور عربی میں متعدد کتابیں تصنیف کی، تفصیلی مضمون ان شاء اللہ آپ آئندہ شمارہ میں پڑھ سکیں گے۔

قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ آمین!!

☆☆☆☆

روزہ کا سب سے بڑا معنوی مقصد تقویٰ

از ..... علامہ سید سلیمان ندویؒ

روزہ کا سب سے بڑا معنوی مقصد تقویٰ اور دل کی پرہیزگاری اور صفائی ہے، محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے فرمایا گیا:

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (بقرہ: ۲، ۱۸۳)

اے ایمان والو! تم پر بھی اسی طرح روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا، تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو"۔

۱۔ "تقویٰ" دل کی اس کیفیت کا نام ہے، جس کے حاصل ہونے کے بعد دل کو گناہوں سے جھجک معلوم ہونے لگتی اور نیک باتوں کی طرف اس کو بے تابانہ تڑپ ہوتی ہے اور روزہ کا مقصود یہ ہے کہ انسان کے اندر یہی کیفیت پیدا ہو، بات یہ ہے کہ انسانوں کے دلوں میں گناہوں کے اکثر جذبات بہیمی قوت کی افراط سے پیدا ہوتے ہیں، روزہ انسان کے ان جذبات کی شدت کو کمزور کرتا ہے، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نوجوانوں کا علاج جو اپنی مالی مجبوریوں کے سبب نکاح کرنے کی قدرت نہیں رکھتے، اور ساتھ ہی اپنے نفس پر بھی قابو نہیں رکھتے روزہ بتایا ہے، اور فرمایا کہ "روزہ شہوت کو توڑنے اور کم کرنے کے لئے بہترین چیز ہے"۔

۲۔ اسلام کے مختلف احکام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ کی مشروعیت میں ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ اس میں اس بات کا خاص اشارہ ہے کہ ۱۲ مہینوں میں ایک مہینہ ہر مسلمان کو اس طرح بسر کرنا چاہئے کہ دن رات میں ایک وقت کا کھانا کھائے، اور ہو سکے تو ایک وقت کا کھانا اپنے فاقہ زدہ محتاج اور غریب بھائیوں کو کھلا دے، ان تمام احکام پر نظر ڈالئے جو فدیہ اور کفارہ سے متعلق ہیں تو معلوم ہوگا کہ ان مواقع میں روزہ کا بدل غریبوں کو کھانا کھلانا قرار دیا گیا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ روزہ اور غریبوں کو کھانا کھلانا، یہ دونوں باہم ایک دوسرے کے قائم مقام ہیں، ایسے لوگ جو فطرتاً کمزور اور دائم المرض یا بہت بڈھے ہیں اور جو بہ مشکل روزہ رکھ سکتے ہیں ان کو روزہ کے بجائے حکم ہوتا ہے۔

﴿وَعَلَى الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْكِیْنٍ﴾ (بقرہ: ۲-۱۸۴) "اور جو لوگ مشکل سے روزہ رکھ سکتے ہوں، وہ ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیں"۔

حج میں اگر اسی عذر یا بیماری کے سبب سے احرام سے پہلے سر منڈانا پڑے ﴿فَفِدْیَةٌ مِّنْ صِیَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ﴾ (بقرہ: ۲-۱۹۶) "تو روزہ یا خیرات یا قربانی فدیہ ہے"۔

جو لوگ حج اور عمرہ ایک احرام میں ادا کریں، جس کو تمتع کہتے ہیں، ان پر قربانی واجب ہے جو غریبوں ہی میں تقسیم کی جاتی ہے اگر یہ نہ ہو سکے تو ﴿فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ فِی الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ﴾ (بقرہ: ۲-۱۹۶) "تو دس روزے رکھیں تین حج میں اور سات گھر آ کر"۔

اگر کوئی بالارادہ قسم کھا کر توڑ دے تو اس پر دس مسکینوں کا کھانا واجب ہے، یا ایک غلام کو آزاد کرنا اگر یہ نہ ہو سکے ﴿فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ﴾ (مائدہ: ۵-۸۹) "تو تین دن کے روزے"۔

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو محرمات سے تشبیہ دے کر اس کو اپنے اوپر حرام کر لے اور پھر اس کی طرف رغبت کرے، تو اس پر ایک غلام کا آزاد کرنا لازم ہے، لیکن اگر یہ اس کی قدرت میں نہ ہو ﴿فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ﴾ (مجادلہ: ۵۸-۴) "تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا"۔

ان احکام سے بہ خوبی ظاہر ہے کہ روزہ در حقیقت صدقہ و خیرات، غریبوں کے کھلانے بلکہ غلاموں کو آزاد کرنے کا قائم مقام ہے۔

۳۔ روزہ ہی امیروں اور پیٹ بھروں کو بتاتا ہے کہ فاقہ میں کیسی اذیت اور بھوک اور پیاس کی تکلیف ہوتی ہے، اور اسی وقت اس کو اپنے غریب اور فاقہ سے نڈھال بھائیوں کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ چند لقموں سے ان کی تکلیف کو دور کرنا کتنا بڑا ثواب ہے، جو خود بھوکا نہ ہو، اس کو بھوک کی اور جو خود پیاسا نہ ہو اس کو پیاس کی تکلیف کا احساس کیوں کر ہوگا، بقول حافظ ابن قیم سوز جگر کے سمجھنے کے لئے پہلے سوختہ جگر ہونا ضروری ہے، روزہ اسی احساس کو زندہ اور ایثار و رحم اور ہمدردی کے جذبہ کو پیدا کرتا ہے، چنانچہ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ تھا کہ بعض صحابہ کہتے ہیں کہ رمضان میں آپ کی سخاوت "بادرواں" کی طرح ہوتی تھی، اور اسی کا اثر ہے کہ آج تک مسلمانوں کے یہاں اس مہینے میں غریبوں اور فقیروں کی امداد و اعانت کی جاتی ہے اور ان کو شکم سیر کیا جاتا ہے۔

۴۔انسان کو کتنا ہی نعمت وناز کے گودوں میں پلا ہو، اور مال ودولت سے مالا مال ہو، تاہم زمانہ کا انقلاب اور زندگی کی کشمکش اس کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنے جسم کو مشکلات کا عادی اور سختیوں کا خوگر بنائے، جہاد کے ہر متوقع میدان کے لئے بھوک اور پیاس کے تحمل اور صبر اور ضبط سے اپنے آپ کو آشنا رکھنے کی ضرورت ہے، یہی سبب ہے کہ مسلمان مجاہد اور سپاہی میدان جنگ میں بھوک اور پیاس کی تکلیف کو جس طرح ہنسی خوشی برداشت کرتا ہے، دوسرا نہیں کرتا، یہ گویا ایک قسم کی جبری فوجی ورزش ہے، جو ہر مسلمان کو سال میں ایک مرتبہ کرائی جاتی ہے، تاکہ وہ ہر قسم کے جسمانی مشکلات کے اٹھانے کے لئے ہر وقت تیار رہے، اور دنیا کی کشمکش، جدوجہد، سختی ومحنت کا پوری طرح مقابلہ کرسکے، اسی لئے روزہ کو قرآن پاک نے کبھی "صبر" کے لفظ سے بھی ادا کیا ہے، تاکہ اس سے روزہ کی یہ حقیقت بھی ظاہر ہوجائے۔

۵۔جس طرح حد سے زیادہ فاقہ اور بھوک انسان کے جسم کو کمزور کردیتی ہے اس سے کہیں زیادہ حد سے زیادہ کھانا انسان کے جسم کو مختلف امراض اور بیماریوں کا نشانہ بنادیتا ہے، طب کے تجربے اور مشاہدے یہ ثابت کرتے ہیں کہ اکثر حالتوں میں انسان کا بھوکا رہنا اس کی صحت کے لئے ضروری ہے، مختلف بیماریوں کا یہ قطعی علاج ہے، طبعی ہدایت ہے کہ کم از کم ہفتہ میں ایک وقت کھانا ناغہ کیا جائے، اسلام میں ہفتہ وار مسنون ومستحب روزے بھی ہیں، مگر اسی کے ساتھ سال میں ایک دفعہ جسمانی فضلہ کی تخفیف کے لئے فرضاً روزہ رکھنا نہایت نفع بخش ہے، جو مسلمان رمضان کے روزے رکھتے ہیں ان کو ذاتی تجربہ ہوگا کہ ایک مہینہ کا روزہ کتنی بیماریوں کو دور کردیتا ہے، بشرطیکہ انہوں نے ازخود کھانے پینے اور افطار وسحور میں بے اعتدالی نہ کی ہو اس لئے یہ ایک قسم کا سالانہ جبری جسمانی علاج بھی ہے۔

۶۔انسان اگر اپنے دن رات کے اشغال اور مصروفیتوں پر غور کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ اس کے وقت کا ایک اچھا خاصہ حصہ محض کھانے پینے اور اس کے اہتمام میں صرف ہوجاتا ہے، اگر انسان ایک وقت کا کھانا پینا کم کردے تو اسکے وقت کا بڑا حصہ بچ جائے، یہ وقت خدا کی عبادت اور مخلوق کی خدمت میں صرف کیا جاسکتا ہے، اگر ہمیشہ نہیں تو کم از کم سال میں ایک دفعہ تو اس غیر ضروری ضرورت کو کم کرکے یہ سعادت حاصل کی جائے۔

۷۔انسان کی دماغی اور روحانی یکسوئی اور صفائی کے لئے مناسب فاقہ بہترین علاج ہے، جب انسان کا معدہ ہضم اور فتور سے خالی اور دل ودماغ تبخیر معدہ کی مصیبت سے پاک ہو، چنانچہ بڑے بڑے اکابر کا تجربہ اس پر گواہ صادق ہے۔

۸۔روزہ بہت سے گناہوں سے انسان کو محفوظ رکھتا ہے، اس لئے یہ بہت سے گناہوں کا کفارہ بھی ہے، چنانچہ اوپر جہاں روزہ اور خیرات کی یکسانی اور باہم بدل ہونے کا ذکر کیا گیا ہے، وہیں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ گناہوں اور غلطیوں کا کفارہ بھی ہے، بلکہ توراۃ میں تو اس کو خاص کفارہ ہی کہا گیا ہے، اور اسلام میں بھی بہت سے موقعوں میں یہ کفارہ بتایا گیا ہے، چنانچہ اگر قسم کھا کر کوئی اس کو توڑنے کا گناہ کرے تو اس گناہ کی معافی کی یہ صورت ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے اگر اس کی سکت نہ ہو تو۔

﴿فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ﴾(مائدہ: ۵-۸۹) "تو تین دنوں کے روزے، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے، جب قسم کھا بیٹھو اور اپنی قسموں کا لحاظ رکھو"۔

اسی طرح حج کی حالت میں شکار کرنے پر اگر قربانی نہ ہوسکے اور چند مسکینوں کو کھانا نہ کھلایا جاسکے، تو ﴿أَوْ عَدْلُ ذَٰلِكَ صِيَامًا لِيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ عَفَا اللَّهُ عَمَّا سَلَفَ﴾(مائدہ: ۵-۸۹) "یا اس کے برابر روزہ تاکہ وہ اپنے گناہ کی سزا چکھے، اللہ نے معاف کیا جو ہوچکا"۔

علی ہذا اگر کوئی ذمی کسی مسلمان کے ہاتھ سے غلطی سے قتل ہوجائے تو اس مسلمان پر خوں بہا یعنی ایک مسلمان غلام آزاد کرنا لازم آتا ہے، اگر غلام آزاد کرنے کی صلاحیت نہ ہو ﴿فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِنَ اللَّهِ﴾(نساء: ۴-۹۲) "تو اس گناہ کو اللہ سے بخشوانے کے لئے دو مہینے کے لگاتار روزہ"۔

اس سے اندازہ ہوگا کہ روزہ بہت سے گناہوں کا کفارہ بھی ہے۔

۹۔اس حقیقت کو ایک اور روشنی میں دیکھئے تو روزہ کی یہ امتیازی خصوصیت نمایاں ہوجائے گی، روزہ کی بھوک اور فاقہ ہمارے گرم ومشتعل قوی کو تھوڑی دیر کے لئے سرد کردیتا ہے، کھانے اور پینے کی مصروفیت سے ہم آزاد ہوتے ہیں، دوسرے سخت کاموں سے بھی ہم اس وقت پرہیز کرتے ہیں، دل ودماغ، شکم سیر معدہ کے فاسد بخارات کی پریشانی سے محفوظ ہوتے ہیں، ہمارے اندرونی جذبات میں ایک قسم کا سکون ہوتا ہے، یہ فرصت کی گھڑیاں، یہ قوی کے اعتدال کی کیفیت، یہ دل ودماغ کی جمعیت خاطر، یہ جذبات کا سکون، ہمارے غور وفکر، اپنے اعمال کے محاسبہ، اپنے کاموں کے انجام پر نظر اور اپنے کئے پر ندامت اور پشیمانی اور خدائے تعالیٰ کی باز پرس سے ڈر کے لئے بالکل موزوں ہے، اور گناہوں سے توبہ اور ندامت کے احساس کے لئے یہ فطری اور طبعی ماحول پیدا کردیتا ہے، اور نیکی اور نیک کاموں کے لئے ہمارے وجدانی ذوق وشوق کو ابھارتا ہے، یہی سبب ہے کہ رمضان کا زمانہ تمام تر عبادتوں اور نیکیوں کے لئے مخصوص کیا گیا ہے، اس میں تراویح ہے، اس

میں اعتکاف رکھا گیا ہے، اس میں زکوٰۃ نکالنا مستحب ہے، اور خیرات کرنا سب سے بہتر ہے، حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فیاضی تو گویا بہار تھی، لیکن رمضان کے موسم میں وہ تیز ہواؤں سے بھی زیادہ ہوجاتی تھی۔

۱۰۔ان ہی باتوں کو سامنے رکھ کر یہ آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے کہ روزہ صرف ظاہری بھوک اور پیاس کا نام نہیں ہے، بلکہ درحقیقت دل اور روح کی بھوک اور پیاس کا نام ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے روزہ کی متوقع غرض وغایت تقویٰ قرار دی ہے، اگر روزہ سے روزہ کی یہ غرض وغایت حاصل نہ ہو تو کہنا چاہئے کہ گویا روزہ ہی نہیں رکھا گیا یا یہ کہنا چاہئے کہ جسم کا روزہ ہوگیا، لیکن روح کا روزہ نہ ہوا، اسی کی تشریح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان الفاظ میں فرمائی ہے:

"روزہ رکھ کر بھی جو شخص جھوٹ اور فریب کے کام کو نہ چھوڑے، تو خدا کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ انسان اپنا کھانا پینا چھوڑ دے"۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ برائیوں سے روکنے کی ڈھال ہے، تو جو روزہ رکھے اس کو چاہئے کہ لغو اور فحش باتیں نہ بکے، اور نہ جہالت (غصہ) کرے، یہاں تک کہ اگر کوئی اس سے لڑنے پر آمادہ ہو اور گالی بھی دے تو یہی کہے کہ میں روزہ سے ہوں، بعض حدیثوں میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "روزہ اس وقت تک ڈھال ہے جب تک اس میں سوراخ نہ کرو"۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا، یا رسول اللہ! اس میں سوراخ کس چیز سے ہوجاتا ہے؟ فرمایا جھوٹ اور غیبت سے، چنانچہ بعض علماء کی رائے میں جس طرح کھانے اور پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اسی طرح گناہ سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

۱۱۔تمام عبادات میں روزہ کو تقویٰ کی اصل اور بنیاد اس لئے بھی قرار دیا ہے کہ یہ ایک مخفی خاموش عبادت ہے، جو ریا اور نمائش سے بری ہے، جب تک خود انسان اس کا اظہار نہ کرے، دوسروں پر اس کا راز افشا نہیں ہوسکتا، اور یہی چیز تمام عبادات کی جڑ اور اخلاق کی بنیاد ہے۔

۱۲۔اسی اخلاص اور بے ریائی کا یہ اثر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت فرمایا کہ روزہ دار میرے لئے اپنا کھانا پینا اور ملذات کو چھوڑتا ہے، اس لئے "الصوم لی وانا اجزی به" "روزہ میرے لئے ہے اور میں اس کی جزا دوں گا"۔

جزا تو ہر کام کی وہی دیتا ہے لیکن صرف اس کی عظمت اور بڑائی کو ظاہر کرنے کے لئے اس کی جزا کو خود اپنی طرف منسوب فرمایا اور بعض علماء کے نزدیک اسی کا اشارہ قرآن پاک کی اس آیت میں ہے ﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾(زمر: ۳۹-۱۰) "صبر کرنے والوں کو ان کی مزدوری بے حساب پوری کی جائے گی"۔

اور اتنا ظاہر ہے کہ روزہ کی مشقت اٹھانا بھی صبر کی ایک قسم ہے، اس لئے روزہ دار بھی "صابرین" کی جماعت میں داخل ہوکر اجر بے حساب کے مستحق ہوں گے۔

۱۳۔روزہ بھی چونکہ صبر کی ایک قسم ہے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ صبر اور تحمل وبرداشت کی مشق اور ورزش کی ایک بہترین اور آسان ترین صورت ہے، اسی لئے مشکلات کے حل کرنے کے لئے دعا اور صبر کرنے کی خاص ہدایت ہوئی ہے ﴿وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ﴾(بقرہ: ۲-۱۵۳) "اور (مشکلات پر) دعا اور صبر کے ذریعہ مدد حاصل کرو"۔

دعا مانگنے کی ریاضت تو ہر وقت ممکن ہے کہ وہ انسان کی اختیاری چیز ہے، لیکن صبر کرنے کی مشق کرنا اختیاری نہیں، کیوں کہ قدرتی مشکلات اور مصائب کا پیش آنا انسان کے اختیار میں نہیں، اس لئے اس کی مہارت اور مشق کے لئے شریعت نے روزہ مقرر کیا ہے، اسی لئے اس آیت بالا کی تفسیر میں صبر کے معنی روزہ کے بھی لئے گئے ہیں۔

۱۴۔یہی وجہ ہے کہ روزہ بھی ان اعمال حسنہ میں ہے جن کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے خطا پوشی، گناہوں کی معافی اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے، ارشاد ہے:

﴿وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾(احزاب: ۳۳-۳۵) "اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور خدا کو زیادہ یاد کرنے والے اور یاد کرنے والی عورتیں ان کے لئے اللہ نے تیار رکھی ہے معافی اور بڑی مزدوری"۔

اس سے ظاہر ہوا کہ روزہ جس طرح ہمارے بعض مادی جرائم کا کفارہ ہے اسی طرح ہمارے روحانی گناہوں کا بھی کفارہ ہے۔

☆☆☆☆☆

دعائے مغفرت

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاذ مفتی ظفر عالم ندوی کے بھائی انظر عالم ندوی کی اہلیہ کا ۲۴ر اگست ۲۰۰۷ء بروز سنیچر بعد نماز مغرب انتقال ہوگیا۔

مرحومہ کافی دنوں سے علیل تھیں، قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اسلامی دنیا

عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی ۱۵ سال پہلے کی ایک تقریر کا اقتباس

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۹۳ء میں ترکی کے ایک سفر میں ترک احباب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا: قرآن مجید کی یہ آیت ﴿وما کان اللہ لیضیع ایمانکم ان اللہ بالناس لرؤف رحیم﴾ (اور خدا ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان کو یوں ہی کھودے خدا تو لوگوں پر بڑا مہربان (اور) صاحب رحمت ہے) جب بھی پڑھتا ہوں تو میرا ذہن ترکی قوم کی طرف جاتا ہے اور ذہن میں یہ آتا ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ ترکوں کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے کہ تمہارے پاس ایمان کی جو دولت تھی اور تمہارے اسلاف نے حمایت وحمیت اسلامی کا جو شاندار ثبوت دیا، جہاد کا جھنڈا بلند کیا، بازنطینی سلطنت کا دارالسلطنت قسطنطنیہ فتح کیا، خلافت اسلامی کی ذمہ داریاں قبول کیں، مقامات مقدسہ (فلسطین، قدس، حرمین شریفین) کی حفاظت کی اور یہیں نہیں یورپ پر بھی اسلام کی دھاک بٹھادی، اللہ تعالیٰ ان کے کارناموں کو ضائع نہیں فرمائے گا اور بالکلیہ اس نسل کو اس سے محروم نہیں ہونے دے گا، ﴿ان اللہ بالناس لرؤف رحیم﴾

اور اگر کوئی کہے کہ اس کو ایک عرصہ گزر گیا اور کم سے کم ایک صدی تو ضرور گزر گئی جب خلافت کا الغاء ہوا اور ترکی قوم کا رشتہ ثقافتی اور تہذیبی حیثیت سے ماضی سے کاٹ دیا گیا، اب اس ایمانی اور اسلامی کارناموں کا کہاں تک پاس کیا جائے گا جس سے موجودہ ترکی نسل کا صرف نسلی اور تاریخی تعلق رہ گیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے جس کی صفت حکیم، رحیم اور شکور ہے) اس تاثیر اور خیال کو زائل کرنے کے لیے حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کا واقعہ سنایا جس میں ایک گرتی دیوار کو اس لیے سنبھالا دیا کہ وہ ایسے دو یتیم بچوں کی تھی جن کے والد نیک اور صالح تھے۔

تو کیا اس قوم کی دیوار کو گرنے اور خاک میں ملنے دیا جائیگا جس نے کئی صدیوں تک اسلام کا علم بلند رکھا اور مسلمانوں کے ناموس وعزت کی حفاظت کی، اللہ تعالیٰ نے اس مکالمہ کے ذریعہ یہ وضاحت فرمادی کہ اللہ تعالیٰ کسی مرد صالح اور مرد مومن کی نسبت سے اس کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی اس کے عمل کو ضائع نہیں فرماتا اور اس کی اولاد دور پشتاء کو بھی اس کا فائدہ پہونچتا ہے، اس لیے اس پر تعجب نہیں کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ موجودہ ترکی نسل کو پھر دولت ایمان (عمومی ودائمی طور پر) نصیب فرمائے۔

اگر کوئی کہے کہ اتنی مدت (سو سال تقریباً) گزر جانے کے بعد اسلام کا (خائم بدبن) خزاں رسیدہ پودہ کیسے سرسبز اور بارآور ہوگا اور دین کا یہ تعلق جو پے در پے حملوں اور سازشوں کا نشانہ بنتا رہا پھر کیسے زندہ اور بیدار ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ سنایا، کہ وہ ایک ایسی بستی کے پاس سے گزرے جو بالکل زمین بوس ہو رہی تھی، ان کو اس پر استعجاب ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس کو کیسے حیات نو بخشے گا، اللہ تعالیٰ نے ان کو سو برس کے لیے موت کی نیند سلا دیا پھر ان کو زندہ کیا اور ان کو دکھلایا کہ وہ خود ہی زندہ نہیں ہوئے، ان کے کھانے پینے کی چیزیں سڑی گلی نہیں ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے مردہ گدھے کو بھی حیات نو بخشی، اس پر وہ بول اٹھے کہ میں یقین کرتا ہوں کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے..... اس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے جس کو قرآن مجید میں نمایاں طریقہ پر بیان کیا گیا ہے کہ مرور زمانہ، انقلابات وحوادث اور سازشوں سے کسی امت یا دین کی حیات نو سے مایوس اور ناامید نہیں ہونا چاہئے، کہ ﴿ان اللہ یحی الارض بعد موتھا﴾ خدا ہی زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے۔

ترکی کی اس شاندار ماضی رکھنے والی قوم اور حمیت وحمایت اسلامی کے جذبے سے معمور اسلاف کے جانشین اور شاندار تاریخ کی حامل قوم دولت اسلام اور ایمان کی نئی بہار اور خدمت اسلام کے لیے مواقع سے محروم نہیں کی جائے گی، قرآن مجید کے ان آیات اور بیان کیے ہوئے واقعات سے یہی سبق ملتا ہے اور تسکین ہوتی ہے۔

(کاروان زندگی، ج۵، ص:۲۲۹-۲۳۱)

☆☆☆☆☆

مولانا مختار احمد ندوی کا سانحۂ ارتحال

جید عالم دین اور مصنف، جمعیت اہل حدیث کے سابق امیر، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے نائب صدر اور مجلّہ ''البلاغ'' کے فاضل مدیر مولانا مختار احمد ندوی کا مورخہ ۱۰ ستمبر ۲۰۰۷ء بروز دوشنبہ حرکت قلب بند ہوجانے سے انتقال ہوگیا، **انا للہ وانا الیہ راجعون۔**

مولانا ملت کے ایک فعال اور سرگرم رکن تھے، دعوت وتبلیغ، دینی مدارس اور عصری علوم کی دانشگاہوں کی تاسیس، مسلم لڑکیوں کی تعلیم، اصلاح معاشرہ اور مساجد ومکاتب کا قیام مولانا کی خدمات کے نمایاں باب یا نمایاں میدان ہیں۔

علمی ورثہ کے طور پر مولانا نے متعدد اہم تصانیف قوم کو دیا ہے جن سے فائدہ اٹھایا جاتا رہے گا، اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا کرے، آمین!!

قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆☆☆☆

اعجاز قرآنی

دوسری قسط

آیاتِ قرآنی کے اعجاز کے نمونے: ایک لغوی جائزہ

﴿وإذا سألك عبادي عني فاني قريب﴾

از..... دکتور عودہ ابوعودہ

قارئین کرام! آیئے اس عظیم قرآنی آیت پر ایک بار اور نظر ڈالتے ہیں ﴿واذا سألك عبادي عني فاني قريب أجيب دعوة الداع اذا دعان فليستجيبوا لي وليؤمنوا بي لعلهم يرشدون﴾

یہ آیت کریمہ روزہ کی فرضیت اور اس کے احکام بیان کرنے والی شرائط کو تفصیل سے بیان کرنے والی آیات قرآنی کے سیاق میں وارد ہوئی ہے، سورۂ بقرہ میں یہ پانچ آیتیں مسلسل روزہ اور اس کے متعلقات کو خصوصیات کے ساتھ بیان کر رہی ہیں (۱۸۳ سے لے کر ۱۸۷ نمبر آیت تک) پہلی آیت میں ارکان اسلام میں سے ایک رکن کے طور پر روزہ کا بیان ہے، دوسری آیت میں مریضوں، مسافروں اور ان عمر دراز لوگوں کے روزہ کا حکم بتایا گیا ہے جو بڑی مشکل سے روزہ رکھ پاتے ہیں اور روزہ رکھنے کی صورت میں وہ بہت تکان اور مشقت محسوس کرتے ہیں، تیسری آیت ماہِ رمضان میں روزہ کی مشروعیت اور روزہ داروں کے لیے روزہ کی فضیلت وانعام بتاتی ہے، چوتھی آیت تو یہی ہے جس کے بارے میں ہماری گفتگو چل رہی ہے، پانچویں آیت میں ہر دن روزہ کے آغاز اور اس کی انتہا کے وقت، نیز ماہِ رمضان میں اپنی بیویوں سے قربت کے حکم کا بیان ہے۔ تو آخر اس زیر بحث آیت کا اس سے پہلے والی اور بعد والی روزہ سے متعلق آیات سے کیا تعلق ہے؟ اور روزہ کے احکام بتانے والی ان آیتوں کے درمیان یہ آیت کیوں لائی گئی؟

سرسری نگاہ تو یہی بتلائے گی کہ اس کا ان آیات سے کوئی ربط اور تعلق نہیں ہے، لیکن ربط ہے اور بہت گہرا ربط وتعلق ہے ان آیاتِ صیام سے ان آیتِ کریمہ کا جسے میں آیت دعا کہنا زیادہ پسند کرتا ہوں، کیوں کہ روزہ دار تو درحقیقت وہ عبادت انجام دے رہا ہے جس کی حقیقت سوائے اللہ عزوجل کے کوئی نہیں جانتا، روزہ دار یقیناً کبھی اپنے رب کو دھوکہ نہیں دے سکتا، وہ رات کی تاریکی میں پچھلے پہر اٹھتا ہے، نرم ونازک خواب گاہوں سے اور میٹھی میٹھی گہری نیند کی آغوش سے وہ اپنے آپ کو دور رکھتا ہے، سحری تناول کرتا ہے، اور خدا کی یاد میں نماز پڑھتا ہے، پھر جو کھانے پینے اسے محبوب ومرغوب تھے اس سے وہ بچتا ہے، پھر نفس کی جو مرغوبات اور احساسات کی جو دلچسپیاں اب تک اس کے لیے حلال تھیں ان سے وہ اپنا دامن بچاتا ہے، ان سب چیزوں میں حق تعالیٰ کی رضا اس کے پیش نظر رہتی ہے اور اس کی خوشنودی کے حصول کے لیے وہ یہ سب عبادتیں بجالاتا ہے، اگر پانی کا کوئی ایک قطرہ بھی اس کے حلق سے اتر کر پیٹ میں چلا گیا، یا چھپ چھپا کر کوئی لقمہ اس نے اپنے منہ میں لے لیا تو اس کی حقیقت بھی سوائے اللہ کے کوئی نہیں کھول سکتا، تو اللہ عزوجل ہی کی ذات ہے جو اس کے ساتھ ہے، اس کا احاطہ کیے ہوئے اس سے پوری طرح واقف ہے، اور اس کے دل میں جو احساس کروٹ لیتا ہے اور اس کا نفس اسے جو کچھ سجھاتا اور بتاتا ہے وہ بھی پوری طرح سے اللہ کے علم میں رہتا ہے، تو اللہ عزوجل کی ذات روزہ دار سے بہت ہی قریب رہتی ہے اسی لیے تو روزہ کی حقیقت، اس کے خلوص کی سچائی اور اس کی نیت کی پاکیزگی اس پر آشکارا ہے، اسی لیے جس دم دعا کے لیے روزہ دار کے ہاتھ اٹھتے ہیں اسی لمحہ اسے شرف قبولیت سے نواز دیا جاتا ہے۔

جس طرح روزہ دار کی عبادت کی سچائی اور اس کے روزہ کے خلوص کے ظاہر ہونے کے لیے اللہ کی ذات اور اس کے درمیان کسی واسطہ کی ضرورت نہیں ہے، بالکل اسی طرح قبولیت کا خلعت عطا کرنے کی خاطر اس کی دعا کو سننے کے لیے بھی اللہ کو کسی واسطہ اور وسیلہ کی ضرورت نہیں ہے، آیت کریمہ کو دیکھیے، یہ آیت اس حقیقت کا صاف اعلان کر رہی ہے، وہ بھی اس طرح کی آیت کہ ابتداء ''اذا'' سے ہو رہی ہے اور ''اذا'' کے بارے میں تو آپ جانتے ہی ہوں گے کہ وہ یقین کا فائدہ دیتا ہے یعنی جس سیاق کلام سے ''اذا'' کا ربط ہوتا ہے اس کا ظہور یقینی ہوتا ہے اور اس کے وقوع میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی، مثلاً قرآن میں اللہ فرماتا ہے ﴿اذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعۃ﴾ (الجمعۃ:۹) اسی طرح ﴿واذا حکمتم بین الناس أن تحکموا بالعدل﴾ (النساء:۵۸) تو اس کا مطلب بالکل صاف ہے کہ جمعہ کی نماز کے لیے یقیناً بلایا جائے گا (پہلی آیت کے بموجب) اور دوسری آیت کے مطابق جلد ہی عملاً تم لوگ لوگوں کے درمیان فیصلے کرو گے۔

''اذا'' کے برعکس جب ''ان'' بولا جاتا ہے تو اس کے معنی میں یقین کا مفہوم نہیں رہتا بلکہ یہ شک کا فائدہ دیتا ہے، مثلاً آیت کریمہ ﴿ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون﴾ (التوبۃ:۴۱) تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم میں وہ بھی ہوں گے جو علم رکھیں گے اور وہ بھی ہوں گے جو نہیں جانیں گے۔

اب دیکھیے اس آیت میں ایک اور چیز پر غور کیجیے،

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿فانی قریب﴾ ان دوسری آیات کی طرح جن میں "یسئلونك" اور اس جیسے سوال کے مشتقات کے جواب میں "قل" یا "فقل" کہا گیا ہے، یہاں "سألك" کے جواب میں اللہ نے "فقل انی قریب" نہیں فرمایا، آخر ایسا کیوں؟ جبکہ "یسألونك" قرآن کریم میں پندرہ مرتبہ وارد ہوا ہے اور ہر مرتبہ اس کے جواب میں "قل" یا "فقل" کے ذریعے جملہ شروع کیا گیا ہے مثلاً ﴿ویسئلونك عن الروح قل الروح من امر ربی﴾ (الاسراء) وغیرہ۔

میرے خیال میں یہ کلمہ (قل) ایک طویل زمانہ لے لیتا ہے اور یہاں آیت دعا میں تو زمانہ بہت مختصر ہے، بس لمحوں کی بات ہے، یہاں دعا بندے کی زبان سے نکلی اور وہاں رب کائنات نے اسے قبولیت کا تاج پہنا دیا۔ یہاں دعا اور اس کی قبولیت میں کوئی زمانہ حائل نہیں ﴿واذا سألك عبادی عنی فانی قریب﴾ جب کہ اوپر والی آیت میں جس میں روح کے متعلق پوچھا گیا اور اس آیت دعا میں جن سے دریافت کیا جارہا ہے وہ ایک ہی ہیں، جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیکن غور کیجئے ایک آیت کیا پندرہ آیتوں میں تو "قل" یا "فقل" کے ذریعہ سے جواب شروع کیا گیا، لیکن یہی آیت دعا ہے جس میں نہ "قل" کہا گیا نہ "فقل" بلکہ سیدھے سیدھے ﴿فانی قریب﴾ فرمایا گیا، یہاں پر اپنے اور بندے کے درمیان کسی کا بھی رہنا حق تعالیٰ نے گوارا نہیں فرمایا۔

اے رب العالمین! تجھے اس آیت کا واسطہ جو محبت وشفقت اور تیرے قرب سے لبریز ہے، جس میں تیرا دریائے کرم جوش میں ہے، میرا اور تمام قارئین کا نام اپنے مخلص بندوں میں لکھ لے، اسلام کی حالت پر ہمیں موت دے اور اسی پر اٹھا اور صلحاء کی صف میں ہمیں بھی شامل فرمادے۔ آمین

(ترجمانی: محمد سمعان خلیفہ ندوی)

(بقیہ صفحہ ۱۱ کا)

..... قیامت کی جو علامتیں آپ ﷺ نے بیان فرمائی ہیں ان میں اسلاف کو مطعون کرنا ایک خطرناک مرض ہے، زمانہ نبوت سے جتنی دوری بڑھتی جاتی ہے اتنی ہی تاریکی بڑھتی جاتی ہے، فتنوں کا ایک تسلسل ہے، طرح طرح کے امراض ہیں جو پیدا ہورہے ہیں، ظاہری امراض بھی ہیں اور دل ودماغ کے امراض بھی، ایک مرض دور ہوتا ہے تو دوسرا پیدا ہونے لگتا ہے، ایسے فتنوں کے ماحول میں بڑی نگہداشت کی ضرورت ہے، دل بھی ٹھیک رہے دماغ بھی صحیح رخ پر کام کررہا ہو، ایمان ویقین کو پیدا کرنے کی کوشش بھی جاری رہے اور فکر ونظر کی اصلاح بھی ہوتی رہے، جب چہار جانب سے پہرے بٹھائے جائیں گے تو نفس وشیطان کے مکائد سے حفاظت کے اسباب پیدا ہوسکتے ہیں، سب اسی قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے، حفاظت بھی وہی فرماتا ہے، توفیق بھی اسی سے ملتی ہے، اس لیے سب کچھ کرنے کے بعد بھی اطمینان نہ ہو اور اس ذات عالی کی بارگاہ میں انسان فریادی بن کر زندگی گزارے تو کامیابی کے ساتھ منزل تک رسائی کی امید ہی نہیں بلکہ انشاء اللہ یقین ہے، لیکن اگر انانیت پیدا ہوئی، اپنی فکر، اپنی سوچ، اپنا نظام، اپنا طریقہ، یہی سب کچھ بن گیا تو پھر خطرہ ہی خطرہ ہے۔

☆☆☆☆☆

جعلی ایڈیشن سے ہوشیار!

مدارس اسلامیہ عربیہ سے گزارش

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے شعبۂ مجلس صحافت ونشریات کی مطبوعات جو مدارس میں داخلِ نصاب ہیں۔ اس نصاب کی جعلی طباعت کی روک تھام کے لیے "براہ راست خریداری نظام" قائم کیا جارہا ہے۔ اس نظام کی ترویج کے لیے آپ کا تعاون درکار ہے۔ اس نظام کو چلانے کے لیے مجلس صحافت نے مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ کو مجاز کیا ہے۔

تفصیل کے لیے رابطہ قائم کریں

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام

پوسٹ باکس نمبر ۱۱۹، ندوۃ العلماء لکھنؤ

Ph.: 0522-2741539, Fax : 0522-2740806, Mob.: 9451315639

مولانا برکت اللہ بھوپالی ایجوکیشن اینڈ سوشل سروس سوسائٹی (رجسٹرڈ) کے زیر اہتمام جنگ آزادی کے عظیم مجاہد، حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور پہلی جلاوطن حکومت کے وزیر اعظم

پروفیسر مولانا برکت اللہ بھوپالی

کی یاد میں قائم دینی وعصری تعلیم کے اہم مراکز

برکت اللہ پبلک ہائر سیکنڈری اسکول

گاندھی نگر، مدھیہ پردیش، انڈیا اور

برکت اللہ گرلز ہائر سیکنڈری اسکول

سلطانیہ روڈ، ٹیلی فون ایکسچینج کے سامنے، بھوپال، ایم پی، انڈیا

"کلیۃ برکت اللہ" کی تعمیر الحمدللہ زنگھ گڑھ روڈ پر جاری ہے، جس میں بورڈنگ کا اعلیٰ سطحی انتظام ہوگا۔

مذکورہ اداروں میں عصری تعلیم کیساتھ دینی تعلیم کا بھی معقول انتظام ہے۔ غریب اور نادار مفلس طلبہ کو مفت تعلیم دی جاتی ہے

منجانب: حاجی محمد ہارون ایڈوکیٹ، بانی وناظم اعلیٰ

فون: 0091-755-2543466, 2642715

شعور وآگہی

قیامت کی ایک علامت

از ..... بلال عبدالحی حسنی ندوی

احادیث مبارکہ میں قیامت کی بہت سی نشانیاں بیان کی گئی ہیں، اور متعدد ان بیماریوں کی نشاندہی کی گئی ہے اخیر زمانے میں امت جن کا شکار ہوگی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی امراض میں سے قیامت کی نشانی کے طور پر اس کا بھی ذکر فرمایا ہے کہ اخلاف اسلاف پر طعن وتشنیع کریں گے۔

موجودہ صورت حال کا جائزہ لینے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مرض امت کو روگ کی طرح لگتا جارہا ہے، یہ سلسلہ روافض سے شروع ہوا تھا، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سب وشتم کرکے انہوں نے اپنے قلوب سیاہ کئے تھے، اور یہودیوں کے آلۂ کار بنے تھے، آج بہت سے اہل حق کہلانے والے اسلاف کو ہدف بنا کر اپنا دامن داغدار کررہے ہیں، حدیث میں جانے والوں کے محاسن بیان کرنے کا حکم ہے، ان کی کوتاہیاں بیان کرنے سے صاف صاف منع کیا گیا ہے، حدیث میں آتا ہے "اذکروا محاسن موتاکم وکفوا عن مساویھم" اپنے مُردوں کی خوبیاں بیان کرو اور خامیوں سے اغماض کرو"

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ برائیاں بیان کرتے ہوئے حدود سے بہت تجاوز ہوجاتا ہے اور آدمی بدگمانی کی سرحد میں داخل ہوجاتا ہے، بہت سی سیاسیاتی باتیں زبان پر آنے لگتی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہوتی، علمی سطح پر بھی دیانت باقی نہیں رہ پاتی اور تحریروں میں بھی بجائے اس کے کہ عبارت کو اس کے درست مفہوم میں لیا جائے اس کے بالکل الٹے معنی بیان کردیے جاتے ہیں یہ چیز امت میں تفرقہ کا پیش خیمہ بنتی ہے۔

علمی دیانت کی بات قلم پر اس لیے آگئی کہ ایک مضمون میں ایک صاحب علم نے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی عبارت کا ترجمہ کہیں سے نقل کیا جس میں پیشہ کرنے کا تذکرہ تھا اس کو موصوف نے بالکل غلط مفہوم میں لے کر ابن عربی پر زنا عام کرنے کی تہمت لگادی، اس میں انہوں نے پیشہ کرنے کا مفہوم غلط پیشہ کرنا لیا۔

اسلاف کے خلاف زبان وقلم کا غلط استعمال جس طرح اب شروع ہوا ہے پہلے اس طرح تصور میں بھی نہیں تھا، ایک جلیل القدر تابعی کے بارے میں آتا ہے کہ ان سے کسی نے مشاجرات صحابہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو ان کے خون میں آلودہ ہونے سے بچایا تو ہم اپنی زبانوں کو ان کی غیبت سے آلودہ کیوں کریں۔

جن حضرات نے صحابہ کرام سے حدیثیں سنیں اور علم حاصل کیا، اور پھر ان سے یہ علمی سلسلہ جاری ہوا اور دنیا کے کونے کونے تک پہونچا، ان کو ہدف ملامت بنانا یقیناً اپنی آخرت تباہ کرلینے کے مترادف ہے۔

علمی اختلافات ہمیشہ رہے ہیں اور آئندہ بھی رہیں گے لیکن اس کی بناء پر ذاتیات پر کیچڑ اچھالنے کی اجازت کبھی نہیں دی جاسکتی، علمی اختلاف کے لیے سنجیدہ اسلوب ضروری ہے، اس کے ساتھ بار بار اپنے نفس کو ٹٹولنے کی ضرورت ہے، عام طور پر ان اختلافات میں نفس کے تقاضے سامنے آتے ہیں، اور انسان دوسری چیزوں کی آڑ میں خواہش نفس کی تکمیل کرکے اپنا دامن آلودہ کرتا ہے۔

ہمارے سامنے جو دین کی تعلیمات اور شریعت کا نظام ہے وہ سب سلسلہ در سلسلہ ہم تک پہونچا ہے، قرآن وحدیث کی تعلیمات ہمیں اپنے اسلاف سے ملی ہیں، زمانہ نبوت علی صاحبہا الصلاۃ والسلام سے لے کر اب تک بغیر کسی کمی بیشی کے دین ہمیں ان ہی علماء سے ملا، یہ ایک ایسی طلائی زنجیر ہے جس کی کڑیاں ایک دوسرے سے مربوط ہیں، اگر ان کڑیوں کو کمزور کیا جائیگا تو اس سے پورا نظام متاثر ہوگا۔

ہمارے اسلامی سماج میں آج یہ بات یورپ سے آکر داخل ہوگئی ہے کہ پہلے عیوب تلاش کئے جاتے ہیں، یہ خالص غیر اسلامی ترتیب ہے، بیشک آدمی اپنے عیوب تلاش کرے اور ان کو دور کرنے کی کوشش کرتا رہے لیکن دوسروں کے بارے میں یہ رویہ اسلامی تعلیمات سے میل نہیں کھاتا، خاص طور پر ان لوگوں کے عیوب کے پیچھے لگنا جو اللہ کے حضور حاضر ہوچکے اور پھر ان میں بھی وہ لوگ جن کا پوری امت پر احسان ہے، ان کو مجروح کرنا اور ان پر امت کے اعتماد کو ختم کرنے کی کوشش حقیقت میں دین کے ساتھ ایک کھلواڑ ہے۔

شرک وبدعت اور گمراہی کو کھول کھول کر بیان کرنا علماء کا فریضہ ہے، گمراہی کے داعیوں اور شرک وبدعت کے علمبرداروں کی نشاندہی تو علماء کا کام ہے لیکن اس کی آڑ میں معمولی فروگذاشتوں کو اچھالنا اور شخصیتوں کو مجروح کرنا دین پر اعتماد ختم کرنے کے مرادف ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی پیشگوئیاں پوری ہوچکیں اور کتنی ہیں جو پوری ہونی ہے، آپ صادق ومصدوق ہیں، کتنی چیزیں ہیں جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو آگاہ کیا ہے اور ان سے دور رہنے کی تلقین فرمائی ہے..... (بقیہ صفحہ: ۱۰ پر)

شخصیت

ایک شیخ: ترکی کا وزیر اعظم

(ترک وزیر اعظم رجب الطیب کی زندگی پر ایک نظر)

ترتیب.....نذر الحفیظ ندوی

شاعر اسلام علامہ اقبال نے ملت اسلامیہ کے عروج وزوال کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ ملت کے مقدر کا ستارا ہمیشہ کے لیے غروب نہیں ہوسکتا، یہ ملت آفتاب عالمتاب کی طرح طلوع وغروب کے قانون کے مطابق زندگی کی شاہراہ پر گامزن رہے گی اور جہاں میں اہل ایمان صورت خورشید جیتے رہیں گے، علامہ ملت پر کوہ غم کے مسلسل ٹوٹنے اور آفات ومصائب کے پیہم یورش سے بھی مایوس نہیں تھے، چنانچہ جب استعماری طاقتوں نے ترکی پر چاروں طرف سے یلغار کی تو اقبال کو امید کی نئی کرن نظر آئی وہ کہتے ہیں۔

اگر عثمانیوں پر کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

ترکی میں فی الحال جو تبدیلی ہوئی ہے وہ صرف ایک سیاسی پارٹی کی شکست اور دوسری سیاسی پارٹی کی فتح نہیں ہے، بلکہ نظریات کی تبدیلی یا بالفاظ دیگر اسلام بول (استنبول) کی الفرہ پر فتح سے عبارت ہے، یعنی مغربی افکار واقدار، اور تہذیب وثقافت کی سب سے بڑی تجربہ گاہ اور نمونہ جس سرزمین کو بنایا گیا تھا اور جس کے مغربی سانچہ میں ڈھل جانے اور ہمیشہ کے لیے اس کی چھاپ دل سے نکل جانے پر برطانوی پارلیمنٹ میں اطمینان کیا گیا تھا، اب وہ سرزمین دوبارہ واپس مسلمانوں کو مل گئی ہے، اس لیے مغربی میڈیا نے اس تبدیلی کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا ہے لیکن زیادہ واویلا نہیں مچایا ہے کہ صاف شفاف آزادانہ الیکشن اور ٹھوس کارکردگی کی بنیاد پر یہ تبدیلی ہوئی ہے، مغربی تابوت میں آخری کیل اس وقت ٹھونک دی گئی جب ملحد وبے دین صدر مملکت کی جگہ عبداللہ گل کا انتخاب ہوا جن کے بارے میں مشہور ہے کہ دینی پس منظر رکھتے ہیں اور ان کی اہلیہ اسکارف باندھتی ہیں، صدارتی انتخاب کے مکمل ہونے کے بعد اب صدر مملکت اور وزیر اعظم کے درمیان ہم آہنگی سو فیصد ہوگئی ہے، کمال اور اس کے جانشینوں نے دستور کے ذریعہ فوج اور صدر کو سارے اختیارات دیدیے تھے، ترکی کی مجلس امن میں فوج کے تینوں بازوؤں کو نمائندگی دے کر ایک طرح سے فوج کو مطلق العنان حاکم بنادیا گیا تھا، اس بنا پر ۱۹۵۰ء سے کئی بار فوج نے سول حکومت کا تختہ الٹا اور اسلام پسندوں پر عرصہ حیات تنگ کرنے کی کوشش کی۔

پروفیسر نجم الدین اربکان کو برطرف کرکے انہیں جیل میں ڈال دیا لیکن اربکان کے تربیت یافتہ رجب الطیب اور عبداللہ گل دونوں نے بڑی دور اندیشی، سیاسی بصیرت اور بغیر کسی جذباتی اشتعال انگیزی کے خاموشی سے دستور اور قانون میں ایسی تبدیلی کردی کہ اب سول حکومت کے خلاف فوج اقدام نہ کرسکے اب صدر اور وزیر اعظم دونوں ہم آہنگ ہوکر ملک کی قیادت کررہے ہیں اور فوج کو سیاست سے بے دخل کردیا گیا ہے، یا کم از کم اس کی مداخلت کے دروازے بند کردیے گئے ہیں۔

رجب الطیب اردغان کی شخصیت:

رجب الطیب ۱۹۵۴ء میں استنبول کے اس حصہ میں پیدا ہوئے جو یورپ میں واقع ہے، رجب الطیب کا گھرانہ ایک غریب خاندان سے تعلق رکھتا ہے، ان کے والد بحیرۂ اسود میں چلنے والے جہاز پر کام کرتے تھے، گویا طوفانوں اور سرکش موجوں سے لڑنے اور ساحل مراد تک دل ونظر کا سفینہ سنبھال کر پہنچانے کا گر ان کی فطرت میں داخل ہے، رجب نے ابتدائی تعلیم اپنے ہی محلہ کے سرکاری اسکول میں حاصل کی، دیندار خاندان ہونے کی وجہ سے ائمہ وخطباء تیار کرنے والے ادارے میں داخل ہوکر حفظ قرآن مکمل کیا، اسی کے ساتھ تجوید کا فن بھی سیکھا، اسی بنا پر مساجد میں انہوں نے امامت بھی کی، عقیدۂ توحید، فقہ، اور تجوید سے ان کو خاص طور سے دلچسپی تھی، اس لیے اس مرحلہ کو انہوں نے امتیاز کے ساتھ پاس کیا، نماز کی پابندی اور قرآن کی کثرت تلاوت اور حلال وحرام سے گہری واقفیت، سنن اور مستحبات پر عمل کی بنا پر ابتدائی درجات میں ہی ان کے دینیات کے استاذ نے رجب کو شیخ کا خطاب دیا تھا، اس کا قصہ یہ ہے کہ دینیات کے گھنٹہ میں استاذ نے طلبہ سے سوال کیا کہ نماز کے مسائل سے کون واقف ہے؟ کیا کوئی طالب علم طلبہ کو نماز پڑھا سکتا ہے، رجب نے ہاتھ اٹھا کر کہا کہ وہ نماز پڑھا سکتے ہیں، استاذ نے خوشی کا اظہار کیا، انہوں نے ایک اخبار جائے نماز کے طور پر بچھادیا کہ اس پر نماز پڑھائیں، رجب نے یہ کہہ کر اس کو جائے نماز بنانے سے انکار کردیا کہ اس اخبار میں عریاں تصاویر ہیں، اس پر نماز درست نہیں، استاذ نے رجب کو گلے سے لگایا اور اس وقت ان کو شیخ کا خطاب دیا، اس کے بعد ہی سکنڈری اسکول میں داخل ہوگئے جہاں ائمہ مساجد اور خطباء کی تیاری کا کورس چار سال تک کرتے رہے، تعلیم کے دوران رجب اپنے والد کی مدد بھی کرتے

تھے، وہ اس طرح کہ سمیڈ نامی کیک خرید کر گرم کرکے فروخت کرتے تھے، بیس سال کی عمر میں تعلیم کے میدان میں تفوق وامتیازی کامیابی کے ساتھ اچھے اور کامیاب تاجر بھی بن گئے، جب امامت وخطابت کے ادارے سے فارغ ہوئے تھے تو مرہ یونیورسٹی کے کامرس کالج میں داخلہ لے لیا، تعلیم کے دوران فٹبال کھیلنے میں بھی مشہور ہوگئے، فراغت کے بعد فوجی ٹریننگ کا مرحلہ مکمل کیا، ستر کی دہائی میں سیاسی معرکہ آرائی سے پہلے متعدد نجی کمپنیوں کے معاشی اور مالی معاملات میں مشیر کی حیثیت سے رجب نے کام کیا۔

رجب کی شادی کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے ایک سوانح نگار نے لکھا ہے کہ السلامہ پارٹی کی ایک پرجوش خاتون کارکن امینہ سے ان کی شادی ۱۹۷۷ء میں اس وقت ہوئی جب ان کی ہونے والی بیوی نے خواب دیکھا کہ ایک حسین وجمیل شخص پارٹی کی تائید وحمایت میں بڑے جوش وجذبہ سے تقریر کررہا ہے، اس صبح کو امینہ اپنی ایک سہیلی کے ساتھ سلامہ پارٹی کے ایک جلسہ میں شرکت کرنے گئی تو اسے دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس کے خوابوں کا شہزادہ جو تقریر کررہا ہے اس کا نام رجب ہے۔

امینہ کے خاندان کا تعلق عربوں سے ہے، چند مہینوں کے بعد ہی دونوں کی شادی ہوگئی، امینہ نے پہلے ہی سے سلامہ پارٹی میں خواتین کا شعبہ سنبھال رکھا تھا، ان کے شوہر رجب استنبول کے میئر ہوئے تو امینہ نے استنبول کی خواتین کے شعبہ کو بڑی ترقی دی، طالبات کے درمیان کام کرکے ان کی تعلیم کے اخراجات اور دینی تربیت کی طرف خاص توجہ کی، بیواؤں کو مکانات مہیا کرنا، انہیں سلائی، کڑھائی اور ایسے پیشوں کی تربیت دی کہ وہ خود کفیل اور باعزت زندگی گزار سکیں، یہ کام شہر سے تجاوز کرکے دیہاتوں تک پھیل گیا، امینہ نے اپنے شوہر کے مشورے سے نائب کلبوں میں کام کرنے والی خواتین کی طرف بھی توجہ کی اور ان کو سیدھی راہ دکھائی، رجب نے اپنے میئر ہونے کے زمانے میں خاندانی اختلافات کو دور کرکے ان کے شیرازہ بکھرنے سے روکا، خواتین کو رات کی ڈیوٹی سے مستثنیٰ کرایا اسی کے ساتھ بچوں کی دینی تربیت کے لیے ہر محلہ میں دینی مکاتب کا جال بچھایا، رجب کے دور میں نائٹ کلبوں کی تعداد گھٹ گئی، لیکن یہ سارا کام خاموشی سے ہوا، جو لوگ شراب اور دیگر منشیات کے عادی تھے ان کی اصلاح کے لیے الگ شعبہ قائم ہوا۔

جب ۱۹۶۹ء میں پروفیسر نجم الدین اربکان نے پہلے حزب السلامہ، پھر رفاہ پارٹی قائم کی تو نوجوانوں کے امور رجب کے ذمہ کیے گئے، ۱۹۸۰ء تک رجب الطیب نے یہ منصب سنبھالا اور پورے ملک تک اس کی سرگرمیاں پھیلادیں۔

جب حزب السلامہ پر پابندی لگ گئی تو نجم الدین نے رفاہ پارٹی قائم کی تو رجب کو ۱۹۸۵ء میں پورے استنبول کا ذمہ دار بنادیا، ۱۹۹۴ء میں رفاہ پارٹی نے میونسپلٹی کے انتخابات میں حصہ لیا تو پورے ملک میں ان کو اکثریت ملی، خود رجب استنبول شہر کے میئر بنادیے گئے، اس پورے عرصہ میں رجب کے سامنے اسوہ اور نمونہ نجم الدین اربکان تھے، چھوٹے بڑے تمام کاموں میں وہ ان سے مشورہ لیتے، خود اربکان بھی رجب الطیب پر مکمل اعتماد کرتے اور ان کی ہدایت پر غیر ملکی سفراء سے ملتے، ان کا پیغام لے کر یورپ وامریکہ جاتے۔

(جاری)

(بقیہ صفحہ ۱۵ رکا).....اس میں کوئی دورائے نہیں اور مغرب کی تاریخ سے خود یہ ثابت ہوتا ہے کہ یورپ کے خلاف ایسے الٹے دلائل ملتے ہیں جو اسلام کے تعلق سے جھوٹے الزامات اور شکوک وشبہات کا ازالہ کردیتے ہیں، یورپین تاریخی کتابیں بھری پڑی ہیں کہ اسلام سے انسانیت اور انسانی تہذیب واقدار کو بڑا خطرہ ہے، یہ اور اس طرح کی بے بنیاد تہمتوں کے جواب میں ایک ہی مثال کافی ہے، وہ یہ کہ اسپین اپنی پوری اسلامی آب وتاب اور شان وشکوہ کیساتھ آٹھویں صدی تک عالم انسانیت پر جگمگاتی رہی، اسپین کے اندر ویرانی، خوف ودہشت، انسانی غلامی اور فقر وفاقہ کا دور دورہ تھا، اسلام آنے کے بعد وہی اسپین اور اس کے باشندے خوشحالی وفارغ البالی کے بارانِ رحمت سے تر ہوگئے، تہذیبی ترقی سامنے آئی، اسپین کو تمام علوم وفنون میں عروج حاصل ہوا، حتی کہ وہ یوروپ پر فوقیت لے گیا، اسپین کی عرب یونیورسٹیوں نے علوم وفنون، آداب ومعارف میں نمایاں محققین کو اپنی طرف کھینچ لیا اور یہ اسپین سرسبزی وشادابی، علوم ومعارف، باغات وکنوئے، تجارت کی گرم بازی اور بڑے بڑے کتب خانوں کی کثرت وپُرکاری میں جنت ارضی اور قابل رشک ودیدہ ملک بن گیا۔ (ص ۳۲-۳۵)

۱۰۔ فاضل مصنفہ یہ بھی تاکید سے کہتی ہے کہ کیتھولک نے ان تمام ادیان پر سخت پابندی لگا رکھی تھی جو اس واحد دین کے مقابلہ میں آتے یا سامنا کرنے کی جرأت کرتے، گرجا گھر نے مسلسل یہودیوں کو مجبور اور پریشان کیا، اور حضرت عیسیٰ کی موت کا گناہ والزام ان کے سر ڈالدیا، اور ان کو اذیتناک سزائیں دیا، لیکن اسلام اسپین ویورپ میں آیا تو کسی دین پر ادنیٰ زیادتی نہیں کی، اور پوری اخلاقی رواداری کیساتھ آٹھ سو سال تک تمام ادیان کیساتھ حسن سلوک روا رکھا، اور کسی دین کو ذرہ برابر تکلیف نہیں دی.....(جاری)

محاسبہ

دوسری قسط

آشکارا ہو نہ جائے شرعِ پیغمبر کہیں

تحریر.....ڈاکٹر صلاح سلطان

۱۲ر ستمبر ۲۰۰۶ء کو جرمنی کے صوبہ باقاریا کی مشہور یونیورسٹی میں عالمی مسیحی روحانی رہنما بینڈیکٹ کے اسلام ورسول اسلام کے خلاف زہر افشانی اور نازیبا گستاخی کا پوری دنیا میں سخت ردعمل سامنے آیا اور اس کا سلسلہ برابر جاری ہے، جرمنی ہی کی ایک غیر مسلمہ فاضل خاتون نے عیسائی واسلامی تعلیمات اور مذہبی حقائق کا موازنہ کتابی شکل میں پیش کیا ہے، ذیل میں اسی کا لب لباب حذف واضافہ کے ساتھ محمد جاوید اختر ندوی کے قلم سے نذر قارئین ہے۔

۲۔ عرب، اسلام اور مسلمانوں کی حقیقی اور تاریخی تصویر:

ڈاکٹر ہونکہ ایک غیر مسلمہ ہوتے ہوئے مغرب کی نفرت انگیزی کا بڑے علمی اور طاقت ور دلائل کے ساتھ غیر جانبدارانہ انداز میں جواب دیتی ہے، خود مسلمانوں میں خال خال ہی ایسے بیدار مغز وباحمیت افراد ملیں گے جنھوں نے اس حقیقت پسندی کیساتھ مغربی عوام وسربراہان کے بے بنیاد وفاسد نظریات وخیالات کے تار وپود بکھیر دیے ہوں اور تحقیقی وعلمی جوابات سے ان کی زبانوں پر تالے ڈال دیے ہوں، فاضل مصنفہ کی وقیع علمی کتاب کے چند اقتباسات پیش کیے جارہے ہیں، جو کتاب کے براہ راست استفادہ سے مستغنی تو نہیں کرسکتے البتہ اس پُر مغز ونادر کتاب کے جوہر کا اندازہ ان اقتباسات سے ضرور قارئین کو معلوم ہوجائے گا۔

(۱) ڈاکٹر ہونکہ اپنی کتاب کے آخری صفحات میں اسلام کے متعلق بڑے اختصار وجامعیت اور اعتماد نفس کیساتھ کہتی ہے: ''انصاف ورحمدلی، نرمی ورواداری اور ہمدردی وغمخواری کے اعتبار سے بالاتفاق اسلام ہی سب سے عظیم مذہب ہے، ہم یہ بات بغیر کسی جانبداری کے کہہ رہے ہیں، اور اس کی بالکل اجازت نہیں دی جاسکتی کہ ہر غیر انسانی فعل اور ظلم وتشدد کو اسلام کیساتھ جوڑ دیا جائے، ہمیں تاریخی خرافات اور عقلی وفکری جہالتوں سے پَرے ہوکر اسلام کا مطالعہ کرنا چاہئے، اور اس عظیم آسمانی مذہب کو اس کی اصلی حالت میں دیکھنا اور مطالعہ کرنا چاہئے۔ (ص:۹۳)

۲۔ دین اسلام میں کوئی بھی انسان کسی دوسرے فرد کے گناہ یا غیر انسانی حرکت کا ذمہ دار نہیں ہوتا، انجیل کے اندر اس کو بڑے زور وشور کیساتھ پیش کیا گیا ہے، اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ کوئی انسان حضرت عیسیٰ مسیح کے سوا کسی اور کے ذریعہ مغفرت خداوندی پا ہی نہیں سکتا، جب کہ اسلام کی تاریخ قطعی نصوص ودلائل کیساتھ یہ بتاتی ہے کہ رب کریم نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کرکے انکو معافی کا پروانہ دیدیا، انسان تو بس اس روئے زمین پر خدا کا خلیفہ اور نائب ہے، وہ ایک ہی معبود کی عبادت کرتا ہے، اس کے علاوہ کسی کو اپنا کارساز ومعبود مان ہی نہیں سکتا۔ (ص:۲۷-۲۸) وہ مزید کہتی ہے کہ ایک مسلمان اپنے قول وفعل کا ذمہ دار خود ہوتا ہے، اس کے ثواب وعذاب کا مستحق بھی وہی ہوتا ہے، اور درحقیقت وہ اپنی اچھی یا بری تقدیر کا بھی ذمہ دار ہوتا ہے۔ (ص:۳۱)

۳۔ مصنفہ جرمن مسلم دانشور احمد شمیدہ کے الفاظ میں ''اسلام میں جہاد کا معنی ومفہوم'' یوں نقل کرتی ہے: ''جہاد ہر محمود کوشش، قابل قدر حرکت وفعالیت اور اپنے دلوں میں اسلامی عقیدہ کو ہی بٹھانے کا نام ہے تاکہ اس دنیاوی زندگی میں ہم ہمیشہ ہمیش کے لیے اپنے دلوں میں برائی کی ترغیب دینے والی طاقتوں اور عالمی نظام کے ذریعہ رچی جانے والی سازشوں کے خلاف روز بروز اٹھنے والی کشمکش پر قابو پاسکیں، جہاد دشمنان اسلام اور ظالم طاقتوں کے خلاف امت اسلامیہ کے ہمیشہ بیدار وتیار رہنے کا نام ہے۔ (ص:۳۱)

۴۔ ڈاکٹر ہونکہ اسلام پر مغرب کے اس جھوٹے دعویٰ ''یہ مذہب دھاردار ہتھیار، آگ اور تلوار کی نوک پر پھیلا ہے'' کی تردید کرتے ہوئے کہتی ہے:

یہ دعویٰ صریح جھوٹ ہے، تاریخی دلائل وحقائق کی رو سے اس کے اندر ذرا بھی سچائی نہیں ہے، اس مذہب کے آسمانی کتاب قرآن کریم میں ہے کہ ''دین کے اندر کوئی جبر واکراہ نہیں ہے'' (البقرہ:۲۵۶) اور امر واقعہ بھی یہی ہے کہ ہر فرد بشر کو اپنے مذہب پر قائم رہنے اور اس پر عمل کرنے کی اسلام میں پوری آزادی رہی ہے، یہودی وعیسائی اور دیگر مذاہب کو اپنے عقائد پر قائم رہنے اور مذہبی شعائر پر عمل کرنے کی مکمل چھوٹ رہی ہے کسی پر کوئی جبر واکراہ نہیں رہا ہے اور نہ ہی مذہب اسلام کی رواداری اس کی اجازت دیتی ہے۔ (ص:۳۴)

مزید قوت وتاکید کے ساتھ کہتی ہے: تاریخی واقعات وحقائق بتاتے ہیں کہ یہود ونصاریٰ نے خود ہی حلقۂ اسلام میں داخل ہونے، فاتحین کی تہذیب وتمدن اپنانے میں پہل اور کوشش کی، اور یہ اسلامی تہذیب کے اس قدر شیفتہ وفریفتہ ہوگئے کہ عرب خود اس قدر اپنی ثقافت وتمدن سے محبت نہیں کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے عربی نام، عربی لباس وپوشاک اور عربی رسوم ورواج

اختیار ہی نہیں کیے بلکہ اس کے دلدادہ ہوگئے، عرب کی زندگی شوکت ودبدبہ، عربی تمدن وتہذیب، عالی ہمتی، انسانی رواداری، فطری حسن وجمال خلاصہ یہ کہ وہ سحر حلال تھی جو عربی ثقافت وتمدن کا مابہ الامتیاز ہے، عرب کی سخاوت وفیاضی، مہمان نوازی، ایثار وقربانی ان کے لیے ناقابل تسخیر جذب وکشش کا سامان بن گئی۔ (ص:۳۲)

۵۔ نقاد مصنفہ دلائل کے ساتھ لکھتی ہے کہ اسلام کی ہی بے نظیر تہذیب، نرم خوئی، رواداری اور بھائی چارگی وہ مقناطیس تھی جس نے یورپین بچے، بوڑھے، جوان سب کو اپنا دلداہ واسیر کرلیا، قرطبہ کا پادری، عظیم عیسائی رہنما ''السفارو'' بڑی صاف گوئی کیساتھ کہتا ہے: ہمارے بیشتر بچے، جوان عربوں کے قصے کہانیاں پڑھتے ہیں، اور یہی نہیں بلکہ مسلمانوں کی تحریروں کو کھنگال کر پی ڈالتے ہیں، اس لیے نہیں کہ انکے اندر بے جا کیڑے نکالیں قیل وقال کریں ہرزہ سرائی اور طعن وتشنیع کا نشانہ بنائیں بلکہ ان کا مقصد عربی زبان کے اندر رسوخ وپختگی اور پھر اس کے اندر اچھی تعبیرات کو منتخب کرنا اور ذوق سلیم کو پروان چڑھانا ہوتا ہے، اور آج ہم عیسائیوں کا حال یہ ہے کہ انجیل کی تفسیریں تو ہم پڑھتے ہیں مگر ایک فرد بھی ایسا نہیں ملتا جو اناجیل اربعہ کا ماہر عالم ہو، ہائے افسوس! آج جو بھی عیسائی نوجوان اپنی صلاحیتوں کی بنیاد پر اپنے دوستوی اور ہمعصروں میں ممتاز ونمایاں ہیں وہ عربی زبان کے علاوہ کچھ جانتے ہی نہیں، وہ عربی کتابوں کی ذخیرہ اندوزی اور ان کے لیے بڑی بڑی لائبریریوں کی تعمیر میں خطیر رقم صرف کرتے ہیں، اور ہر جگہ ببانگ دہل یہ اعلان کرتے ہیں کہ ادب عربی ہی عظمت ومحبوبیت کے لائق ہے، ہائے مصیبت! عیسائی آج اپنی زبان بھول چکے ہیں، آپ ہزاروں میں ایک بھی ایسا نہیں پائیں گے جو صحیح وفصیح لاطینی زبان میں ایک وقیع کتاب یا رسالہ ہی مرتب کردے، اس کے برعکس ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا جو اچھی عربی بولتے، لکھتے اور بے تکلف استعمال کرتے ہیں، بلکہ کچھ تو عربی شعر وشاعری کے میدان میں طبع آزمائی کرتے ہیں، اور تعجب خیز یہ ہے کہ بعض تو عربوں سے بھی اس میں آگے نکل گئے ہیں۔

ڈاکٹر ہونکہ اس موقع پر بڑی سنجیدگی اور حقیقت پسندی کے ساتھ ایک سوال کرتی ہے (اور ہم سب اس کے ساتھ ہیں) ''کیا تلوار کی نوک کے اندر اتنی طاقت ہے کہ وہ مجبور ومتنفر کو اس پر آمادہ کردے کہ وہ عرب، مسلمانوں کی تہذیب اور زبان وادب کا اس قدر دلدادہ ہوجائے؟ یا اس آسانی ولافانی مذہب کا جوہر واصلیت اور فطرت ہی یہی ہے۔ (ص:۳۳)

۶۔ ڈاکٹر ہونکہ ایک فرانسیسی نوجوان ''فولشیر شارتی'' کی گواہی اور اعتراف پیش کرتے ہوئے کہتی ہے، عرب کے البیلے طرز زندگی اور جادوئی تہذیب وثقافت نے اپنے سائے تلے مختصر وقت میں عیسائیوں کی بڑی تعداد کو جمع کرلیا، اس کی زندہ مثال ہم خود ہیں، ازیں قبل ہم مغرب کے گرویدہ تھے، اب ہم مکمل مشرقی ہوگئے، نوجوان کہتا ہے: کیا اب اس خدائی نعمت وسعادت اور امن وسکون کے بعد بھی ہم مصیبت زدہ مغرب کی طرف لوٹیں گے، جب کہ رب کائنات نے ہم پر عظیم احسان کرکے مغرب سے مشرق کا راستہ دکھایا، اس طرح مذہب اسلام نے کثیر تعداد میں بہادروں اور جنگجوؤں کو اپنا تابع وہمنوا اور شیفتہ بنالیا۔ (ص:۳۳)

۷۔ فاضل محققہ فلسفہ لاہوت کے ''اولیفروس'' نامی جرمن سائنس داں کا ایک اور اعتراف نقل کرتی ہے، جوان کے اور صلیبی فوجوں پر سلطان صلاح الدین ایوبی اور سلطان کامل کے غالب آنے کے بعد عربی واسلامی رواداری کا اعلیٰ نمونہ سامنے آیا، وہ کہتے ہیں: زمانہ کی تاریخ کوئی پڑھ لے اس قدر رفق ونرمی اور محبت وشفقت، وہ بھی ازلی دشمن قیدیوں کے ساتھ کوئی نہیں سنے گا، کیا کوئی ایک لمحہ کے لیے شک بھی کرسکتا ہے، کہ یہ سخاوت ورحمت خدا کی طرف سے نہیں ہے؟ وہ لوگ جن کے آباء واجداد، بچے بچیاں اور بھائی بہنوں کو ہم نے قتل کیا، اور دردناک سزائیں دی، جب ہم انکے ہاتھوں قید ہوئے اور بھوک کے مارے موت کے منہ میں آگئے، وہ خود نقصان اٹھا کر ہم کو اپنے اوپر ترجیح دینے لگے، اور ممکن حد تک حسن سلوک کا معاملہ کیا، جب کہ ہم ان کے رحم وکرم کے رہین ومانحت تھے، ہمارے پاس کوئی طاقت تھی نہ ہی سہارا۔ (ص:۲۵)

۸۔ ڈاکٹر ہونکہ اسپین کے تاریخی واقعات لکھتے ہوئے بڑے اعتماد ویقین کیساتھ کہتی ہے جس سے اسلام میں جبر واکراہ اور تشدد وزیادتی کے سارے دعوے کھوکھلے ہوجاتے ہیں، کہ وہ واقعہ جو گرجا گھروں کے لیے دردسر ہے، حلق سے اتر نہیں رہا ہے، پادریوں کی نیندیں اڑ گئی ہیں کہ بغیر کسی تبلیغی وترغیبی کوشش کے محض اپنے ارادہ واختیار اور قلبی اطمینان سے مفتوحہ علاقوں کی قومیں جوق در جوق اسلام میں داخل ہورہی ہیں، ان پر کوئی جبر نہیں کیا گیا، جی ہاں! اسلامی رواداری، وسعت نظری، فراخدلی اور عربی زندگی کی آسانی روح واسپرٹ عیسائیوں پر پوری طرح حاوی ہوگئی ہے، راز وہ نہیں ہے جیسا کہ خبیث ذہن والے بہتان لگاتے ہیں کہ یہ لوگ تلوار کی نوک اور طاقت کی زور پر اسلام لانے پر مجبور ہوئے، عرب کی یہ خصوصیت رہی ہے، اور اسکا مذہب بھی یہی تعلیم دیتا ہے کہ دوست تو دوست دشمن کے ساتھ بھی اخلاقی بلندی، مسامحت ورواداری، عفوودرگزر کا معاملہ کیا جائے یہی بات اسپینی عیسائیوں کے دخول اسلام میں اہم محرک وکارفرما رہی ہے۔ (ص:۳۵)

۹۔ ڈاکٹر ہونکہ پھر مذہب اسلام کی تہذیبی بلندی وپاکیزگی اور اس کی اس اخلاقی رواداری کا تذکرہ کرتی ہے جس نے یورپ کو اسلام کا دلدادہ بنادیا تھا، اور وہ دوبارہ اسپین ہی کی مثال دیتے ہوئے کہتی ہے: عنوان ہے ''الٹی دلیل، عربی اسپین''..... (بقیہ صفحہ ۱۳ پر)

ہندوستانی مسلمان

جشنِ آزادی اور مسلمان

از.....انیس احمد ندوی

گودی میں کھیلتی ہے جس کی ہزاروں ندیاں
گلشن ہے جس کے دم سے رشکِ جناں ہمارا

وطن کا ذکر آتے ہی علامہ اقبال علیہ الرحمہ جیسے عظیم الشان مفکر وشاعر کی حُب الوطنی یاد آتی ہے، انہوں نے ہندوستانی بچوں کا قومی گیت، ترانہ ملی، ترانہ ہندی، ہمالہ وغیرہ نظمیں لکھ کر نہایت رنگارنگ وطن پرستی اور یکجہتی کا درس دیا ہے۔

۱۵راگست ۲۰۰۷ء کو وطن عزیز نے اپنی عمر کا ساٹھ سال پورا کرلیا، حسب دستور اس موقعہ پر آزادی کی ساری روایتیں دہرائی جاتی ہیں، اردو کے عظیم شعراء کے وہ اشعار یاد کیے جاتے ہیں جس میں انہوں نے ہندوستان کی قصیدہ خوانی کی ہے، خصوصاً علامہ اقبال کا ترانہ ''سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا'' خوب گایا جاتا ہے، لوگ سن سن کر سر دھنتے ہیں اور عظیم شاعر کی قومی یکجہتی کے تصور نیز حب الوطنی کے پاکیزہ نظریہ کی تعریف کرتے ہیں، چند سالوں قبل دلی کے ایک مشہور انگریزی کے کالم نگار خشونت سنگھ نے ہندوستان ٹائز میں لکھا کہ For those of us whose mother ہم میں سے ان لوگوں کے لیے جن کی مادری زبان ہندوستانی ہے سارے جہاں سے اچھا ہندوستان..... قومی ترانہ رہا ہے سرکاری قومی ترانہ جن گرومن ادھیانک کے مقابلہ میں ہم بہتر طریقہ پر اس کا معنی سمجھتے ہیں، اقبال علیہ الرحمہ نے یہ ترانہ جسے انہوں نے ''ترانہ ہندی'' کا نام دیا تھا، ۱۰راگست ۱۹۰۴ء کو لکھا تھا اور اسے کانپور سے نکلنے والے ماہنامہ ''زمانہ'' کے ایڈیٹر منشی دیانرائن نگم کو بھیجا انہوں نے اسے ستمبر کے شمارہ میں شائع کیا (بحوالہ ہندوستانی ٹائمز، ۲۱راگست ۲۰۰۴ء)۔

اس موقعہ پر ضروری ہے کہ ہم بلاتفریق قوم ومذہب اپنی آزادی کے لیڈران، ہیروز، اور شہداء کو یاد کریں، ان مقامات کو پھر سے زندہ کریں جن سے ہماری آزادی کی تاریخ وابستہ ہے، نوجوان نسل کو آزادی سے قبل کا ماحول یاد دلا کر آزادی کی اہمیت سمجھائیں اور قائدینِ آزادی کی قربانیاں ان کے سامنے پیش کریں، جس شان سے انہوں نے اپنی زندگیوں کا نذرانہ پیش کیا وہ ہم نوجوان نسل کے لیے یقیناً قابل تقلید نمونہ ہے اور قابل فخر وعزت متاعِ بے بہا بھی۔

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی تو کوئی بات نہیں

ان ساٹھ سالوں میں ہم نے اقتصادی ترقی حاصل کی سائنس وٹکنالوجی کے میدان میں ہم نے حیرت انگیز ترقی حاصل کی، ادب وثقافت، آرٹ وفنون لطیفہ بھی میدانوں میں ترقی ہوئی، ملک کی GDP اور GNP مضبوط ہوئی، دفاعی فیلڈ میں ترقی کرکے ہم ایک نیوکلیائی طاقت بن گئے (اس ترقی سے یقیناً گاندھی جی کی روح کو تکلیف ہوئی ہوگی)

گرچہ یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ بہت سارے میدانوں میں ہمیں اتنی ترقی نہیں ملی جتنی ہونی چاہئے تھی، کسی بھی میدان میں ہم پختہ کار اور مکمل نہیں ہوئے وہ شاید اس لیے ہے کہ ہم من حیث الملک اپنی عمر کے اعتبار سے ناپختہ ہیں اور تجرباتی دور سے گزر رہے ہیں، عمر کے اس مرحلے میں ہیں جہاں ملک ہو یا قوم، فرد ہو یا معاشرہ کشمکش حیات سے دوچار ہوتا ہے اور ہمیشہ لاشئی سے شئی اور حقیقت کی طرف، غیر موجود سے Invention یعنی ایجاد و مرئی وجود کی طرف اور وجود کو عدل وانصاف، کمالیاتی وجمالیاتی رنگ وآہنگ عطا کرنے کی کوشش میں مصروف رہتا ہے، اس نظریہ سے دیکھا جائے تو ہماری بہت ساری کوتاہیاں ضد اور ہٹ دھرمی سے نہیں، نقص وعیب سے نہیں بلکہ تجرباتی مراحل سے گزرنے کی وجہ سے ہوسکتی ہیں یاد رہے کہ فسطائی طاقتوں کے مخصوص نظریات کی بنیاد پر کرائے گئے فتنہ وفساد اور نفرت وتعصب پھیلانے کی بے پناہ کوششیں اس زمرہ سے خارج ہیں۔

جنگ آزادی آج سے بہت پہلے ۱۸۵۷ء سے بھی پہلے شروع ہوچکی تھی، ۱۸۵۷ء کی جنگ، جدوجہد آزادی کی پہلی منظم ومربوط کوشش تھی، ظاہر ہے کہ اس کا خواب بہت پہلے دیکھا گیا تھا، بہرحال اس کے بعد سے جنگ آزادی کا شعلہ دلوں میں موجزن رہا اور یہ پاکیزہ جذبہ فروغ پاتا رہا یہاں تک کہ ۱۵راگست ۱۹۴۷ء کو ہمارا ملک آزاد ہوا، ۱۵راگست کی رات لاکھوں لاکھ ہندوستانی آزاد ہندوستان کے پہلے وزیراعظم مسٹر جواہر لال نہرو کے ذریعہ آزادی کا تاریخی اعلان سننے کے لیے ریڈیو کے اردگرد خاموشی کا سراپا بن کر بیٹھ گئے اور جواہر لال نہرو نے اپنا وہ تاریخی جملہ کہا Long Years ago we made a tryst بہت سالوں قبل ہم نے تقدیر سے وعدہ وصل کیا تھا آج ہم نے اپنے اس قول وقرار کو پورا کرکے اپنی عزت کو چار چاند لگایا ہے'' ع

تقدیر کے لب کو جنبش ہے دم توڑ رہی ہیں تدبیریں

لیکن شاید تقدیر کو زیادہ دیر تک ہماری خوشی منظور نہیں تھی ملک آزاد ہوا اور خوشیوں کا ماحول بہت مختصر رہا کیونکہ آزادی کے ساتھ ساتھ ہمارے جسم کے دو ٹکڑے ہوئے ہمیں (مسلمانوں کو) اس کی زبردست قیمت چکانی پڑی، ملک کی تقسیم کا الزام مسلمانوں کے سر منڈھنا قطعاً غلط ہے، بہرکیف مسلمانوں کا خون ایک بار پھر بڑی سفاکیت کے ساتھ ارزانی سے بہایا گیا، دہلی ویران ہوگئی پورا ہندوستان دہل گیا، قتل وخون، لوٹ مار، فساد وغارتگری سے پورا ہندوستان کانپ اٹھا، آزادی سے جو عزت ملی تھی اس میں ایک داغ ودھبہ لگ گیا، آزادی کے ماہ شب چاردہم میں گہن لگ گیا، ہم (مسلمان) اس آزمائش سے سرخرو ہوکر نکلے، وطن پرستی اور حب الوطنی ہمارا شعار بنا رہا اور ہم پہلے کی طرح وفاشعاری کی راہ پر گامزن رہے، آج موقعہ ہے کہ ہم آزادی کے ان ساٹھ سالوں کے Track - Record (تاریخی سلسلہ) کا جائزہ لیں اور یہ دیکھیں کہ ہم نے کیا پایا کیا کھویا، یقیناً ان ساٹھ سالوں میں خوشی ومسرت کے لمحات بھی آئے اور غم وحزن کے تکلیف دہ واقعات بھی ہمیں کامیابیاں اور ترقیاں بھی ملیں، اور ہمارے قدم ڈگمگائے بھی بلکہ ہم ایک قدم پیچھے ہٹے یہ سب ہوتا رہا مگر آزادی وحریت کا یہ قافلہ آگے بڑھتا رہا۔

۳۰رجنوری ۱۹۴۸ء کو ایک ہندو انتہاپسند نے ملک کے سب سے بڑے امن پرست تحریک آزادی کے رہنما اور عدم تشدد کے بھکت ایم. کے. گاندھی کو تشدد کا نشانہ بنایا اور گولی مار کر انہیں ہلاک کردیا، آزادی وطن کے مقدس چہرے پر ایک اور داغ کا اضافہ ہوا مگر آزادی کا یہ قافلہ آگے بڑھتا رہا، لوگ ہندوستان کی زلف وابرو سنوارنے میں لگے رہے اور اس طرح ۱۹۴۹ء میں کافی بحث ومباحثہ کے بعد آئین ساز اسمبلی نے آئین ہند کو پاس کردیا اور اس کا باقاعدہ نفاذ ۲۶رجنوری ۱۹۵۰ء سے ہوا۔

۶ردسمبر ۱۹۹۲ء کو بابری مسجد کو شہید کردی گئی جس سے پورے ہندوستان میں فرقہ وارانہ فساد پھوٹ پڑا، خصوصاً ممبئی میں اس کے زیادہ شدید جھٹکے محسوس کئے گئے۔

۸ردسمبر ۱۹۹۲ء سے ۲۰رجنوری ۱۹۹۳ء کے مابین ممبئی میں زبردست ہندو مسلم فسادات ہوئے جس میں ۹۰۰ سو سے زائد لوگ جاں بحق ہوئے، کروڑوں کی املاک ضائع کردی گئیں، یہ کہا جاتا ہے کہ اس کے نتیجے میں ۱۲رمارچ ۱۹۹۳ء کو ممبئی سیریل بلاسٹ کا واقعہ پیش آیا جس میں ۲۵۷ لوگ مرے، گودھرا کا المناک سانحہ ۲۷رفروری ۲۰۰۲ء میں پیش آیا جس کے نتیجہ میں پورے گجرات میں منظم طریقے پر مسلمانوں کا قتل عام ہوا، لاکھوں لاکھ مسلمان اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے یا خوف ودہشت کی وجہ سے بھاگ گئے اور وہ اب تک پناہ گزیں کی حیثیت سے زندگی گزار رہے ہیں۔

اس سال امریکہ کے ساتھ ۱۲۳ نیوکلیائی معاہدہ ہوا ہے جس نے حکومت اور بائیں بازو کی پارٹیوں کے درمیان کشمکش اور تناؤ پیدا کردیا ہے، مزید یہ کہ اس سال سے نئے راشٹرپتی مسز پرتبھا پاٹل اور نائب صدر حامد انصاری کا انتخاب عمل میں آیا ہے۔

اس مبارک موقعہ پر تحریک آزادی میں مسلمانوں کا، علماء کا اور اسی طرح اردو زبان کا اہم کردار یاد نہ کرنا احسان فراموشی ہوگی، مولانا جعفر تھانیسری، مولانا محمود الحسن دیوبندی سے لے کر مولانا ابوالکلام آزاد تک اور مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا فضل حق خیرآبادی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا عبیداللہ سندھی اور جوہر برادران جیسے عظیم مجاہدین آزادی کی قربانیوں کو یاد نہ کرنا ایک قومی غلطی ہے، جس کا ارتکاب بہت دنوں سے کیا جارہا ہے، مسلمانوں نے نہ صرف یہ کہ تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا بلکہ اس کی قیادت کی انگریز حقیقت میں صرف مسلمانوں سے خائف تھے، اس لیے ہم مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ ہم اپنی قوم کو آزادی میں مسلمانوں اور علماء کے قائدانہ کردار سے باخبر رکھیں، اسی طرح آزادی سے قبل اردو زبان ہندوستان کی ہمہ گیر زبان تھی، عوام وخواص کے اندر آزادی کا جوش وخروش، ولولہ اور فکر پیدا کرنے میں اردو زبان کا نہایت اہم کردار رہا ہے شہاب ملیح آبادی، جوش ملیح آبادی، حسرت موہانی، محمد علی جوہر، ظفر علی خاں کی نظموں نے عوام میں آزادی کی لہر پیدا کردی، رام پرساد بسمل کی نظم ع

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے

آج بھی زبان زد خاص وعام ہے۔

ان سب کے باوجود ہمیں اس موقعہ پر یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ کیا ہندوستان میں واقعی امن وامان ہے؟ ہر شہری کی جان ومال عزت وآبرو محفوظ ہے؟ قانون کی بالادستی قائم ہے؟ تمام شہریوں کو ہمہ گیر اقتصادی ترقی کے برابر مواقع فراہم کئے جارہے ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ذات پات اور تنگ نظری کی دیواریں کھڑی ہیں؟ اور شہریوں کو اونچ نیچ، امیر وغریب، سیاسی لیڈران، حکومتی افسران اور عام آدمی کی بنیادوں پر تقسیم کیا جارہا ہے؟ تعصب ونفرت کی زہر آلود ہواؤں سے فضا مسموم تو نہیں ہورہی ہے؟ اگر ایسا ہے (جواب یقیناً اثبات میں ہوگا) تو ابھی ہمیں اور جدوجہد کرنی ہے، ہماری آزادی ابھی ناپختہ اور نامکمل ہے، ہمیں پختہ، مکمل اور ہمہ گیر آزادی کے لیے انتھک کوشش کرنی ہوگی اور ملک کو ان لعنتوں سے آزاد کرانا ہوگا، ہمیں اس موقعہ پر یہ عہد وپیمان کرنا ہوگا کہ ہم اپنے ملک کو کرپشن سے نجات دلا کر ترقی کے بام عروج تک لیجائیں گے، بے ایمانی، بداخلاقی، فتنہ وفساد، تعصب ونفرت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گے اور اس کی جگہ امن وشانتی، اخوت

وبھائی چارہ، قومی یکجہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی قائم کریں گے، ہر شہری کے ساتھ مساویانہ سلوک کیا جائے گا اور کسی کے ساتھ جانبداری، تعصب نیز دوہرے معیار کا معاملہ نہیں برتا جائے گا اور یہ محض وقتی اور رسمی نعرے نہ ہوں بلکہ ہمیں اس کے لیے عملی اقدام بھی کرنا ہوگا۔

ملک آزاد ہوئے ساٹھ سال گزر چکے ہیں جس طرح ہماری ترقی اور خوشحالی ایک حقیقت ہے اسی طرح بہت سارے میدانوں میں ہماری پسماندگی بھی مسلم ہے۔ تعلیم کے میدان میں ہم بہت پیچھے ہیں اور ملک کے ہر بچہ کو اسکول بھیجنے، اسے اعلیٰ تعلیم دینے اور اسی طرح اس ملک کا ایک مفید شہری بنانے میں اب تک ناکام ہیں، ٹیگور نے ہندوستان کے جنت نشاں ہونے کا جو خواب دیکھا تھا تعلیم اس کا ایک اہم جزء تھا، انہوں نے کہا تھا۔

Where Knowledge is free.....(میرا ملک ایسا ملک ہو جہاں علم/تعلیم ہر شخص کے لیے مفت ہو) ٹیگور کا یہ خواب اب تک شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا، ملک صحیح طور پر اسی وقت آزاد سمجھا جائے گا جب ہر بچہ نہ صرف یہ کہ اسکول جائے بلکہ اس کے پاس ایک تعلیمی خواب ہو اور حکومت ہر بچہ کے تعلیمی خواب کی تکمیل کے لیے کوشش کرے، گرچہ شرح خواندگی میں خصوصاً لڑکیوں کی شرح خواندگی میں اضافہ ہوا ہے مگر افسوس ہے کہ ہم اب بھی تعلیمی اعتبار سے پیچھے ہونے کی وجہ سے اقتصادی اعتبار سے بھی خوشحال نہیں ہیں۔

بات تعلیمی اور اقتصادی پسماندگی کی چل نکلی اس لیے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا بھی ایک مختصر سا جائزہ لے لیا جائے کہ انہیں آزادی کے ان ساٹھ سالوں میں کیا ملا؟ انہوں نے من حیث القوم کیا پایا کیا کھویا؟ جیسا کہ آپ سبھی لوگوں کے علم میں ہے کہ سچر کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق مسلمان تعلیمی، اقتصادی، معاشی اور معاشرتی ہر اعتبار سے پسماندہ ہیں ان کے ساتھ تعصب نیز جانبداری کا سلوک کیا گیا اور انہیں Polarisation (دو مختلف نظریات کی بنیاد پر تقسیم کا عمل) کے ذریعہ تعلیمی، اقتصادی اور معاشی لحاظ سے معاشرہ کے بالکل حاشیہ پر کھڑا کر دیا گیا ہے اور انہیں پسماندہ کرنے میں اب تک کی حکومتوں کا دخل ہے، (تفصیل کے لیے نومبر ۲۰۰۶ء کے انگریزی اخبارات ملاحظہ کریں)

سچر کمیٹی کی حیرت انگیز رپورٹ کے بعد ایک بات تو بالکل قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ مسلمان پسماندہ ہیں خواہ وہ عمداً پسماندہ کئے گئے ہوں یا کچھ اپنے تغافل اور کچھ غیروں کی چالبازیوں سے پسماندہ ہوئے ہوں، اب اس حقیقت کے منکشف ہو جانے کے بعد ارباب حل وعقد کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ ان اسباب وعلل کا جائزہ لیں جن کی وجہ سے مسلمان پسماندہ ہوئے اور انہیں دور کر کے مسلمانوں کو قومی وملی اعتبار سے آگے بڑھنے کے مواقع فراہم کریں، اگر ارباب حل وعقد ایسا کرتے ہیں تو یہ سمجھا جائے گا کہ ان سے چوک ہوئی تھی نہ کہ انہوں نے قصداً مسلمانوں کو پیچھے کیا لیکن اس سے کیا نتیجہ نکالا جائے کہ حکومت مسلمانوں کی پسماندگی کو جانتے ہوئے بھی سچر کمیٹی کی سفارشات پر عمل نہیں کر رہی ہے اور اب تک یہ رپورٹ سرد خانہ میں پڑی ہوئی ہے اور مسلمان اس پر عمل درآمد کرنے کے لیے احتجاج کر رہے ہیں اور مختلف فورم سے آوازیں اٹھا رہے ہیں۔ حکومت کی طرف سے اس پر عمل کرنے کا وعدہ، خلوص وہمدردی کی شکل میں ایک نیا فریب ہے ع

مہربانی، خلوص، ہمدردی: ہم نے کیا کیا فریب کھائے ہیں

دہلی کے ایک نامور ادیب ومورخ نے چند سالوں قبل ہندوستان ٹائمز میں لکھا تھا کہ آزادی کی تقریبات محض رسمی اور سرکاری ہوتی ہیں، سرکاری ادارے اور افسران محض رسماً اسے پورا کر دیتے ہیں عوام الناس بڑی حد تک ان تقریبات اور آزادی کے جوش وخروش سے خالی ہوتے ہیں کیونکہ جو شخص بھوک سے تڑپ تڑپ کر جان دے رہا ہو اس کے بچے فاقے کی شدت سے بلک رہے ہوں وہ آزادی اور اس کے تصور کو کیا جانے، جس کے بچے روپئے کی کمی کی وجہ سے اعلیٰ تعلیم بکہ سرے سے تعلیم ہی سے محروم ہوں جو دولت کی کمی کی وجہ سے مزمن ومتعدی امراض سے جھوجھ رہا ہو، جہیز کی بڑھتی ہوئی لعنت کی وجہ سے بچیوں کی شادی سے قاصر ہو وغیرہ وغیرہ..... اس کے نزدیک آزادی، یا یوم آزادی کا کوئی خاص مفہوم نہیں بلکہ وہ اس دن (یوم آزادی کے دن) بھی رکشہ پر یا سائیکل پر ملک کا عظیم ترنگا لگا کر دو وقت کی روٹی کی خاطر سارے جہاں سے اچھا..... ترانہ گاتا ہوا اپنے کام پر نکل جاتا ہے۔

جب دو فرقوں میں امتیاز برتا جائے تو مقہور ومغلوب فرقہ آزادی اور سیکولرزم کو کیا جانے؟ صلاحیت کو بالائے طاق رکھ کر ذات، پات، رنگ ونسل کو بنیادی ترجیحات میں شامل کرنا کیا ظاہر کرتا ہے؟

ایسے ماحول میں مفلوک الحال، دبے کچلے اور مظلوم طبقہ کے لیے آزادی ایک وہمی چیز ہے ایسے نازک حالات میں اس بات کی نہایت شدید ضرورت ہے کہ غریب، کاشتکار، مفلوک الحال اور دبے کچلے طبقات کو اٹھانے کی ہر ممکن کوشش اخلاص سے کیجائے، نفرت وتعصب کی دیواروں کو منہدم کر کے ایک بار پھر یکجہتی وہم آہنگی کے ساتھ مشترکہ عملی جدوجہد کیا جائے تاکہ ہمارا ملک دن دونی رات چوگنی ہمہ جہت ترقی کرے اور ان لعنتوں سے چھٹکارا حاصل کرے جن کی وجہ سے ہمارے ملک نے اب تک خاطر خواہ ترقی نہیں کی اور محض ترقی پذیر کی فہرست میں شامل ہو سکا ہے۔

☆☆☆☆☆

دنیا کی بدترین قوم کی بدترین تاریخ

از.....محمد وثیق ندوی

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے نبی تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے سارے انسانوں کی اصلاح وہدایت کے لیے مقرر کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے دو شاخیں نکلیں، ایک حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد جو عرب میں رہی، دوسری حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد جن میں حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت سلیمان، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ اور دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام پیدا ہوئے، حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب چونکہ اسرائیل تھا اس لیے ان کی نسل بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نبوت اور امامت کا منصب ان کی نسل کی اس شاخ کو ملا جو حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہما السلام سے چلی اور بنی اسرائیل کہلائی، اور اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں بیت المقدس کو اپنا مرکز قرار دیا۔

انبیائے بنی اسرائیل یا ان کی قوم نے کبھی بھی اپنے آپ کو یہودی نہیں کہا، لیکن بعد کے عہد میں اس خاندان نے جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے چوتھے بیٹے یہوداہ کی نسل سے تھا اپنے آپ کو یہوداہ سے منسوب کر کے یہودی کہنا شروع کر دیا، یہیں سے یہودیت کی بنیاد پڑی، حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تو جس حصہ پر یہوداہ کے خاندان کے لوگ قابض ہوئے وہ یہودیہ کہلائی، اور دوسری سلطنت جس پر بنی اسرائیل کے دوسرے قبیلہ قابض ہوئے سامریہ کہلائی، لیکن جب آشوریوں نے سامریہ کو تباہ کر دیا تو صرف یہوداہ اور بن یامین کی نسل باقی رہ گئی جس پر یہودیہ کے غلبہ کی وجہ سے پوری قوم پر یہودی کا اطلاق ہونے لگا، اس نسل کے کاہنوں، ربیوں اور یہودی علماء نے صدیوں تک اپنے بدعتی خیالات اور خدا فراموشی اور دنیا پرستی اور دین بیزاری پر مبنی تصورات کے مطابق عقائد اور رسومات اور باطل مذہبی روایات کا جو بدروح ڈھانچہ مرتب کیا وہ یہودیت کہلایا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد جب بنی اسرائیل میں دین حنیف سے دوری، شیطان کی پیروی، خدا فراموشی، دنیا پرستی ونفس پرستی اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کر دینے والے اعمال کا رواج عام ہو گیا اور دوسری طرح فرعون مصر رمسیس دوم (۱۳۰۱-۱۲۳۴ ق م مسیح) نے بنی اسرائیل پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو فرعون مصر کے ظلم سے بچانے اور راہ راست پر لانے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نشو ونما اور تربیت فرعون ہی کے دربار میں ہوئی، جب جوان ہوئے تو بلا قصد وارادہ ایک مصری کو قتل کر دیا جس کی وجہ سے ان کو مدین جانا پڑا، جہاں شعیب علیہ السلام سے جا ملے اور حضرت شعیب نے اپنی ایک لڑکی کی شادی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کر دی۔

مصر سے واپسی میں وادی سیناء میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز کیا، اور آپ کو یہ ذمہ داری دی گئی کہ آپ اور آپ کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام فرعون مصر کے پاس جائیں، اسے دعوت دیں، اور بنی اسرائیل کو نجات دلائیں، چنانچہ فرعون کو دعوت دینے اور ایک مدت تک اس کو سمجھانے کے بعد آپ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے ارض مقدس فلسطین کی طرف روانہ ہوئے، یہ واقعہ فرعون مصر رمسیس دوم کے لڑکے منفتاح کے زمانے کا ہے، جو ۱۲۱۳ ق م میں اپنے باپ کا جانشین مقرر ہوا، منفتاح نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کا تعاقب کیا، لیکن اللہ نے اسے پورے لشکر کے ساتھ سمندر میں غرق کر دیا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کو نجات سے ہمکنار کیا۔

صحراء سیناء میں پہاڑ پر پروردگار عالم کی تجلی اور سامری کے واقعہ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو فلسطین چلنے کا حکم دیا، لیکن بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر کی نافرمانی کی اور ٹکا سا جواب دیا کہ "ان فیھا قوماً جبارین، فاذھب انت وربك فقاتلا انا ھھنا قاعدون" اللہ نے اپنے نبی کی نافرمانی کے پاداش میں بنی سرائیل کو سزا دی کہ چالیس سال تک صحراء میں ادھر ادھر مارے مارے پھرتے رہے، اس دوران حضرت موسیٰ علیہ السلام دنیا سے رحلت فرما گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام بلکہ مورخین کا خیال ہے کہ آپ کے ساتھ جو لوگ تھے وہ سب کے سب اس وادی تیہ میں ہلاک ہو گئے، صرف دو شخص زندہ باقی رہ گئے جن میں ایک یوشع بن نون تھے جن کو یہود یشوع کہتے ہیں۔

یوشع بن نون کی سرکردگی میں یہود نہر اردن پار کر کے فلسطین کے شہر اریحا میں ۱۱۹۰ ق م میں داخل ہوئے، اریحا پر قبضہ کرنے کے بعد رام اللہ کے قریبی شہر "عای" پر حملہ کیا، اور شہر قدس پر قبضہ کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام ہوئے، حضرت یوشع کا انتقال ۱۱۳۰ ق م میں ہوا۔

جب بنی اسرائیل فلسطین میں داخل ہوئے تو یہاں مشرکین آباد تھے، توریت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ بنی اسرائیل کو جو ہدایات دی گئی تھیں ان میں صاف صاف کہہ دیا گیا تھا کہ تم ان لوگوں سے جنگ کر کے ان سے فلسطین چھین لینا، اور ان کی اخلاقی اور اعتقادی خرابیوں میں مبتلا مت ہو جانا، لیکن بنی اسرائیل نے یہ واضح ہدایات فراموش کر دیں، اور ایک مرکزی حکومت قائم کرنے کے بجائے چھوٹے چھوٹے بارہ قبیلوں (اسباط) میں منقسم ہو گئے، تاریخ میں یہودیوں کے اس عہد کو "عہد القضاۃ" کے نام سے جانا

جاتا ہے، کیونکہ ہر قبیلہ میں اقتدار وحکومت کی تکمیل کا بن قاضیوں کے ہاتھ میں تھی، اس عہد میں یہودی اپنا دین چھوڑ کر دنیاوی فوائد اور نفسانی خواہشوں کے حصول کی خاطر مشرکانہ عقائد اپنا بیٹھے، انارکی، کرپشن، اختلاف وخلفشار اور اخلاقی ودینی بے راہ روی اسرائیلیوں میں عام ہوگئی، نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کا عذاب نازل ہوا، اور ان مشرکوں نے آپس میں اتحاد کر کے یہودیوں کو فلسطین کے بڑے حصہ سے بے دخل کردیا۔

یہودیوں کو جب اپنی حماقت کا احساس ہوا تو پھر انہیں اپنے لیے ایک ایک قائد کی ضرورت محسوس ہوئی اور ۱۰۲۰ قبل مسیح میں اپنے ایک پیغمبر حضرت سموئیل علیہ السلام کے کہنے پر انہوں نے بڑے قیل وقال کے بعد طالوت کو اپنا قائد مان لیا۔

طالوت نے ۱۰۲۰ قبل مسیح سے ۱۰۰۴ قبل مسیح تک حکومت کی، طالوت کے بعد ۱۰۰۴ قبل مسیح سے ۹۶۵ قبل مسیح تک حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت رہی، حضرت داؤد علیہ السلام ہی فلسطین میں مملکت بنی اسرائیل کے حقیقی بانی سمجھے جاتے ہیں کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام سے پہلے عہد میں فلسطین پر یہودیوں کو متفرق علاقوں پر جزوی کنٹرول حاصل تھا، اور قاضیوں کا پورا زمانہ داخلی خانہ جنگی میں گزرا، حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت کی مدت چالیس سال ہے، داؤد علیہ السلام نے اپنی سلطنت کا پایہ تخت یروشلم (قدس) کو بنایا، یہیں پر مقدس ہیکل تعمیر کیا، اور تابوت منتقل کیا، اور وراثتی طور پر حکومت آپ کی نسل میں منتقل ہوتی رہی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی (۹۶۵-۹۲۶ قبل مسیح) اور اس کام کو مکمل کیا جسے بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد نامکمل چھوڑ دیا تھا، آپ کی مدت حکومت تقریباً ۸۰ سال ہے، یہ عہد بنی اسرائیل کا سنہرا دور کہلاتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل پھر شرک، بداعمالیوں اور نفس پرستی میں مصروف ہوگئے، بعد میں آنے والے انبیاء بنی اسرائیل نے انہیں راہ راست پر لانے اور صراط مستقیم دکھانے کی کوششیں کیں، لیکن یہ لوگ باز نہ آئے اور ان کی اخلاقی اور اعتقادی حالت خراب سے خراب تر ہوتی چلی گئی، اور ان کی ساری توجہ جادو ٹونوں اور عملیات کی طرف مبذول ہوگئی، اور انہیں شیاطین نے بہکایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عظیم طاقت ان نقوش اور منتروں کی وجہ سے تھی لہٰذا جادو ٹونا اس زمانہ میں عام ہوگیا۔

یہودیوں کی انہی بداعمالیوں کیوجہ سے وہ عظیم سلطنت جو حضرت سلیمان علیہ السلام چھوڑ گئے تھے دو حصوں میں تقسیم ہوگئی، حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں (اسباط) کے نمائندے نابلس کے قریب شکم میں اجتماع بن سلیمان کی بیعت کے لیے اکٹھا ہوئے، لیکن اجتماع کے نام پر اتفاق نہ ہوسکا، بلکہ افراہم قبیلہ کے ایک فرد یربعام کے نام پر اتفاق ہوا، اور اس کو بادشاہ منتخب کرلیا گیا اور اس کی مملکت کا نام اسرائیل پڑا، اور دارالسلطنت شکم قرار پایا، دوسری طرف یہوداہ اور بن یامین قبیلہ نے اجتماع بن سلیمان کو بادشاہ تسلیم کرلیا اور اس کی حکومت مملکت یہودیہ کہلائی اور شہر قدس (یروشلم) پایہ تخت قرار پایا، اس طرح بنی اسرائیل کی عظیم متحدہ سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی، شمال ریاست یہودیہ کہلائی، اور جنوبی ریاست سامریہ۔

مملکت اسرائیل ۹۲۳ قبل مسیح سے ۷۲۱ قبل مسیح تک قائم رہی، اور مملکت یہوداہ ۹۲۳ قبل مسیح سے ۵۸۶ قبل مسیح تک قائم رہی، دونوں مملکتوں میں ۱۹ بادشاہ ہوئے، مملکت اسرائیل (ریاست سامریہ) کا سب سے مشہور بادشاہ عمری (۸۸۵-۸۷۴ قبل مسیح) تھا جس نے سامرہ تعمیر کیا اور پھر اس کو اپنا مستقر بنایا، عمری کے بعد بغاوت شروع ہوگئی، آشوری بادشاہ تبلات بلشر سوم نے مملکت اسرائیل کی سرحدیں کم کردیں اور شلمنصر پنجم اور پھر سرجون دوم نے مملکت اسرائیل کے آخری فرمانروا پر فوج کشی کی، اور ہزاروں یہودیوں کو قتل کر کے باقی ماندہ کو حران، خابور، کردستان اور ایران جلاوطن کردیا، اس طرح ۷۲۱ قبل مسیح میں اس مملکت کا خاتمہ ہوگیا۔

دوسری ریاست یہودیہ کی دینی واخلاقی حالت شروع میں بہتر رہی، لیکن بعد میں وہاں بھی بت پرستی، نفس پرستی اور مشرکانہ عقائد رواج پاگئے اور وہ بداعمالیوں میں مصروف ہوگئے، اور یربعام بن سلیمان کے دور میں لواطت کے عام ہوجانے کی وجہ سے ان کے اخلاق بگڑ گئے، اس کے بعد ایام کے دور اقتدار (۹۱۵-۹۱۳ قبل مسیح) میں حالات اور زیادہ بگڑ گئے، اس کے بعد یہورام بن یہوشفاط کا دور آیا (۸۴۹-۸۴۲ قبل مسیح) اس نے اپنی قوم کے سربرآوردہ لوگوں کے ساتھ اپنے چھ بھائیوں کو بھی قتل کردیا، اس کے بعد یوحاز بن یونام (۷۳۵-۷۱۵ قبل مسیح) کے دور میں بت پرستی اور زیادہ عام ہوگئی، حتیٰ کہ خود بادشاہ نے اپنے کئی لڑکوں کو بتوں کی بھینٹ چڑھادیا، اور نفس پرستی میں ڈوب گیا، اس کے بعد منسی بن حزقیا نے اپنے دور حکومت (۶۸۷-۶۴۲ قبل مسیح) میں اپنی قوم کو اللہ کی بندگی واطاعت سے پھیر دیا اور بت خانے تعمیر کروائے، اسی ظالم بادشاہ نے بنی اشعیا بن آموص پر آرے چلوائے، اسی طرح یہودیوں نے بنی ارمیا کو پتھروں سے قتل کر ڈالا، اس سے پہلے یہودیوں نے بنی حزقیال کو بھی قتل کردیا تھا، جرم صرف اتنا تھا کہ ان انبیاء کرام نے یہودیوں کو برے کاموں سے منع کیا اور اچھے کاموں اور اعلیٰ اخلاقی کی دعوت دی تھی، اس اخلاقی انحطاط اور ظلم کا انجام یہ ہوا کہ ۵۹۸ قبل مسیح میں کلدانی حکمراں بخت نصر نے ریاست یہودیہ پر قبضہ کرلیا، اور گیارہ سال بعد ۵۸۷ قبل مسیح میں پوری ریاست کو تاراج کر کے یروشلم اور ہیکل سلیمانی کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور یہودیوں کو وہاں سے نکال کر بابل سے جلاوطن کردیا، یہ یہودیوں کی پہلی بربادی تھی۔

تلمود میں مذکور ہے کہ یہودی اسی وقت تباہ وبرباد کئے گئے جب انکی سرکشی، بداعتقادی، اور بداعمالیاں حد سے تجاوز کرگئیں اور اپنے نبی ارمیا کی بات ماننے سے انکار کردیا تو ارمیا نے بخت نصر اور کلدانیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ اللہ کی پسندیدہ قوم پر تمہارا غلبہ وفتح تمہاری طاقت وقوت کیوجہ سے نہیں بلکہ ان کے مشرکانہ اعتقادات اور مجرمانہ اعمال کا یہ نتیجہ ہے" (بحوالہ الطریق الی القدس، از ڈاکٹر محسن محمد صالح، ص: ۲۴)

(جاری)

تعارف

خلافت عثمانیہ کا ایک عظیم کارنامہ

مجلۃ الاحکام العدلیہ (مجموعۂ قوانین مدنی) کی ترتیب ونفاذ

از ..... منور سلطان ندوی

تیرہویں صدی ہجری کا دور علم وتحقیق کے لحاظ سے انحطاط وپستی کا دور ہے، عثمانی خلافت قائم ضرور تھی مگر دیگر فتوحات کی طرح علمی فتوحات کے دروازے بھی بند تھے، جدت وابتکار کے سوتے گویا خشک ہوچکے تھے، علم فقہ یا فقہ اسلامی جو دوسری صدی سے ترقی کی راہ پر گامزن تھی اور اجتہاد وتحقیق کی وجہ سے نئے نئے اقلیم کو فتح کرتی چلی جارہی تھی، ساتویں صدی آتے ہی زوال کا شکار ہوگئی، اور پھر جدید اقلیم کو فتح کرنے کے بجائے قلعہ کی مضبوطی میں لگ گئے، بالآخر یہ کارواں بھی سست پڑ گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ تیرہویں صدی تک زوال اپنی انتہا کو پہونچ گیا، تقلید پہلے ہی عام تھی اب جمود عام ہونے لگا، فقہا کی ساری قوت متن کی شرح اور پھر شرح کے حاشیہ میں صرف ہونے لگی اور منزل نظروں سے اوجھل ہوگئی، اس زمانہ میں گرچہ بعض فتاویٰ کے مجموعے مثلاً فتاویٰ تاتارخانیہ، فتاویٰ خانیہ، فتاویٰ بزازیہ، حامدیہ اور فتاویٰ ہندیہ تیار تو ہوئیں جس کا شمار بعد کے دور میں مراجع میں ہونے لگا مگر علمی فضا میں جمود کے بادل چھائے رہے۔

لیکن جس طرح تاریکی کی گود سے صبح کی سفیدی جنم لیتی ہے اور زوال کے بعد عروج کے آثار نظر آتے ہیں اسی طرح فقہ اسلامی بھی زوال کے بعد عروج کے لیے اٹھی، یہ سنہرا دور جو فقہ اسلامی کی تاریخ میں ایک اہم موڑ ہے تیرہویں صدی کی آخری دہائی میں شروع ہوا، جب عثمانی خلیفہ نے اپنے ایک فیصلہ کے ذریعہ فقہ اسلامی میں نئے باب کا اضافہ کیا، جس سے فقہ اسلامی کی نئی صبح اور دوسرے دور کا آغاز ہوتا ہے، یہ فیصلہ تھا جدید اور عصری انداز میں فقہ اسلامی کی ضابطہ بندی (قانون سازی) کا، سول لاء (مدنی قوانین) سے متعلق جدید انداز میں دفعہ وار مرتب اسلامی قوانین کا مجموعہ "مجلۃ الاحکام العدلیۃ" اسی فیصلہ کی یادگار ہے، یہ صرف قوانین کی ترتیب نہ تھی بلکہ ایک نئے دور کا آغاز تھا، خلافت عثمانیہ کے کارناموں میں مجلہ کی ترتیب کئی جہتوں سے بہت منفرد اور نمایاں حیثیت رکھتی ہے، اگر دوسرے کارنامے نہ ہوتے تب بھی صرف یہ کام خلافت عثمانیہ کو تاریخ میں زندہ رکھنے کے لیے کافی تھا۔

مجلۃ الاحکام العدلیہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہیکہ مشہور فقیہ وبلند پایہ ماہر قانون شیخ مصطفیٰ احمد زرقاء نے اسے فقہ اسلامی کی تاریخ اور قانون سازی کی تحریک میں عظیم کارنامہ سے تعبیر کیا ہے جس کے غیر معمولی اثرات بعد کے ادوار میں محسوس کئے گئے۔

یہ مجموعۂ قوانین جو فقہ اسلامی کی روشنی میں مرتب کیا گیا تھا اسے سلطنت عثمانیہ میں قانونی حیثیت حاصل رہی اور ترکی کے علاوہ حجاز، شرق اردن، شام، عراق، مصر اور سوڈان وغیرہ میں عام شہری معاملات ودسائل میں اسی کے مطابق عدالتوں میں فیصلے ہوتے تھے، یہ قوانین بعض ممالک میں ۱۹۱۸ء تک اور شام وعراق میں ۱۹۴۹ء اور اس کے بعد تک نافذ رہے۔

مجلة الاحكام العدلية کی ترتیب

تیرہویں صدی ہجری کے نصف اور انیسویں صدی کے اوائل میں یورپ کے ترقی یافتہ ممالک میں جب قانون سازی کا عمل شروع ہوا اس وقت ترکی کے سلطان امیر المومنین عبدالعزیز عثمان نے اسلامی شریعت کے مطابق عام شہری قوانین (سول لاء) مرتب کرنے کا ارادہ کیا، چنانچہ ماہرین قانون اور نامور فقہاء کی ایک مجلس بنائی گئی، اس کے سربراہ محکمہ عدلیہ کے ناظم احمد جودت پاشا مقرر ہوئے، ابتداء یہ مجلس چند ارکان پر مشتمل تھی جس میں علامہ محمد علاء الدین ابن عابدین شامی (م ۱۲۵۲ھ/ ۱۸۱۰ء) جیسے جلیل القدر فقیہ بھی شامل تھے۔

اس مجلس تدوین کا مقصد یہ تھا کہ عام شہری معاملات ومسائل سے متعلق ایسا مجموعہ قوانین مرتب کیا جائے جو جدید قانون سازی کی نہج پر ہو اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہو، نیز وہ فقہاء کے اختلافات سے پاک ہو تاکہ اس سے استفادہ میں کوئی دقت پیش نہ آئے (مقدمہ شرح مجلہ)

مجلہ کے شروع میں مجلس تدوین کی طرف سے ایک رپورٹ بھی شامل ہے جو دراصل صدر اعظم علی پاشا کی خدمت میں پیش کی گئی تھی، اس رپورٹ پر تاریخ محرم ۱۲۸۶ھ مطابق ۱۸۶۹ء درج ہے، اس رپورٹ میں مجلہ کی تدوین کا مقصد یہ بیان ہوا ہے:

"ظاہر ہے کہ علم فقہ ایک بحر ناپیدا کنار ہے، اس میں سے مسائل کے وہی موتی نکال لینا جو پیش آمدہ مشکلات کے حل کے لیے ضروری ہوں صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ تلاش کرنے والے کو علمی مہارت اور پوری طرح ملکہ حاصل ہو، خصوصاً فقہ اسلامی میں مسائل کی تلاش بہت ہی دشوار ہے، کیونکہ بہت سے مجتہدین نے جن کے مدارج متفاوت تھے فقہ حنفی میں کام کیا ہے، ان میں بہت سے اختلافات ہیں، اس پر مزید یہ کہ جن مسائل کی بنیاد عادت ورواج عام پر ہوتی ہے وہ امتداد ایام کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں ان وجوہ کی بناء پر یہ ضرورت شدت کے ساتھ محسوس کی جاتی رہی کہ معاملات فقہیہ پر ایک کتاب ایسی تالیف کی جائے جس میں مسائل مربوط انداز میں مرتب ہوں، اس سے استفادہ آسان ہو، اختلافات کا اس میں ذکر نہ ہو، مقبول ومفتی بہ اقوال پر مشتمل ہو، اور ہر شخص کے لیے اس کا مطالعہ سہل ہو، اگر ایک ایسی کتاب تیار ہوجائے تو اس سے حکام شرع، ارکان محاکم انتظامیہ اور افسران سررشتہ ہائے انتظامی سب کو ہی بڑا فائدہ پہونچے گا، اس کے مطالعہ سے انہیں

شریعت سے یک گونہ ربط پیدا ہوجائے گا اور بقدر استطاعت دعاوی اور شرع شریف کے مابین توفیق کی ان میں قوت پیدا ہوجائے گی، اسی طرح یہ کتاب محاکم شرعیہ میں اجراء احکام کے لیے سند کا کام دے گی اور محاکم انتظامیہ میں جن مقدمات وحقوق کی سماعت ہوتی ہے ان کے لیے کسی جدید قانون کے وضع کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ (المجلہ طبع بیروت ۱۳۰۲ھ ترجمہ اردو مولانا عبدالقدوس ہاشمی ندوی)

یہ مجلہ ایک مقدمہ اور سولہ ابواب پر مشتمل ہے، مقدمہ میں پہلے فقہ اسلامی کی مختصر تاریخ اور پھر فقہی قواعد کا تذکرہ ہے، ان فقہی قواعد کی تعداد ایک سو ہے پوری کتاب میں کل دفعات ۱۸۵۱ ہیں، کتاب کے ابواب خرید وفروخت (بیوع) کے جملہ مسائل پر مشتمل ہے، ان میں عبادات، مناکحات اور عقوبات (تعزیرات) کے مسائل ومعاملات شامل نہیں ہیں۔

۱۲۸۶ھ میں مجلہ کی تدوین کا کام شروع ہوا، ایک باب یا چند ابواب کی تدوین کے بعد یہ نظر ثانی کے مرحلہ سے گزرتا، پھر فرماں روائے وقت کے پاس بھیجا جاتا اور بعد ازاں دستخط ہمایونی سے مزین ہوکر نافذ العمل قرار پاتا، اس طرح ۱۲۹۳ھ میں اس کی تکمیل ہوئی، یہ قوانین جیسے جیسے منظور ہوتے رہے اسی طرح عدالتوں میں رائج ہوتے رہے، پہلے یہ مجموعہ ترکی وعربی دونوں زبان میں تیار ہوا، اس کے بعد ۱۹۹۳ء میں ہی آستانہ عالیہ قسطنطنیہ سے دونوں زبانوں میں الگ الگ نسخے شائع ہوئے۔

مجلہ کی چند نمایاں خصوصیات

۱۔ شریعت اسلامی کی روشنی میں شہری قوانین (سول لاء) کو عصری انداز میں مرتب کرنے کی یہ پہلی کوشش ہے، اس سے قبل فقہ اسلامی سے ماخوذ کوئی قانونی مجموعہ مرتب نہیں ہوا تھا۔

۲۔ عصری قوانین کے سارے مسائل الگ دفعات کی شکل میں لکھے گئے، نیز زبان کو آسان اور قانونی شکل دی گئی۔

۳۔ ابتداء میں درج سو فقہی قواعد دراصل اصول وکلیات کی حیثیت رکھتے ہیں، جن سے سیکڑوں مسائل میں رہنمائی ہوتی ہے، البتہ ان اصولی قواعد میں حوالہ جات بھی ہیں، اس لیے صرف قواعد کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کو مجلس تدوین نے منع کیا ہے۔

۴۔ مجلہ کی تدوین سے پہلے عدالتوں میں جن فقہی مراجع سے استفادہ کیا جاتا ہے ان میں اور مجلہ میں ایک بڑا فرق اسلوب کا ہے، مجلہ کا اسلوب قانونی ہے، مسائل کی ترتیب، دفعہ وار نمبرات، زبان کی آسانی اور اختلاف کو ذکر کیے بغیر مفتی بہ قول کا اختیار، یہ وہ امتیازات ہیں جو مراجع میں نہیں پائے جاتے ہیں۔

شیخ مصطفیٰ احمد زرقاء جو نامور فقیہ کے ساتھ قانون داں بھی ہیں اور کلیۃ الحقوق میں اس مجلہ کو زمانہ تک پڑھایا بھی ہے، انہوں نے ان خصوصیات کے ساتھ چند خامیوں کا بھی تذکرہ کیا ہے، مثلاً مجلہ میں بعض اصطلاحات کی وضاحت تفصیل سے آئی ہے جن کی ضرورت نہیں تھی، اسی طرح مجلہ میں مرافعات کے دفعات بھی ہیں جب کہ شہری قوانین میں یہ باب شامل نہیں ہوتا ہے اور مجلہ کی تدوین میں صرف فقہ حنفی کو مرجع بنایا گیا ہے جس کی وجہ سے بعض مسائل میں بعد میں پیچیدگیاں پیدا ہوئیں اور وہاں مسائل بدلنے پڑے۔

ان خامیوں کا جواب خود انہوں نے بھی دیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ عصری انداز میں فقہ اسلامی کی ضابطہ مندی کی یہ پہلی کوشش تھی اور پہلی کوشش خامیوں سے پاک نہیں ہوسکتی۔

مجلہ کی شرحیں اور ترجمے

مجلہ چونکہ متداول قانون کی کتاب تھی، اس لیے اس کی بے شمار شرحیں لکھی گئی اور مختلف زبانوں میں اس کے متعدد ترجمے بھی ہوئے، مجلہ کی قدیم شرحیں جو ترکی زبان میں لکھی گئیں، ان میں عاطف بک، رشید پاشا، اور جودت پاشا کی شرحیں شامل ہیں، عربی کی قدیم شرحوں میں سرفہرست مرآۃ المجلۃ لاء الاحکام العدلیۃ ہے جو شامی مفتی مسعود آفندی کی تصنیف ہے اور ۱۲۹۹ھ مطابق ۱۸۸۱ء میں آستانہ سے شائع ہوئی، اس کے بعد مجلس شوریٰ عثمانیہ کے رکن سلیم رستم بازلبانی کی ضخیم شرح ہے جو ۱۸۸۸ء میں شائع ہوئی اور عرب ممالک کے قانون داں طبقہ میں مقبول رہی، درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام جو علی حیدر صدر عثمانیہ ہائی کورٹ کی تصنیف ہے، مجلہ کی شرحوں میں سب سے ضخیم سمجھی جاتی ہے انہوں نے دفعات کی وضاحت کے ساتھ ہر مسئلہ کی دلیل بھی فراہم کی ہے۔

مجلہ کی شرحوں میں کتاب الاصلیۃ الاصولیۃ شرح مجلہ الاحکام العدلیۃ فی قسم حقوق المدنیۃ بھی ہے جو پروفیسر محمد سعید مراد الغربی (لاء کالج دمشق) کی تصنیف ہے اور ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی ہے، اس کے بعد پروفیسر محمد سعید محاشی کے قلم سے ایک شرح آئی جو درسی انداز کی ہے، البتہ انہوں نے مجلہ کے قوانین کا جدید قوانین سے موازنہ بھی کیا ہے۔

مجلہ کی ایک شرح حمص کے مفتی محمد خالد اتاسی مرحوم نے بھی لکھی ہے جس کی تکمیل ان کے صاحبزادے محمد طاہر اتاسی نے کی ہے، اس طرح ایک شرح سید منیر قاضی پرنسپل لاء کالج بغداد نے بھی تصنیف کی ہے، ان کے علاوہ اور بھی شرحیں عربی میں لکھی جاچکی ہیں۔

مجلہ کا اردو ترجمہ سب سے پہلے حیدرآباد دکن سے شریعت محبوبیہ کے نام سے مطبع عزیز دکن حیدرآباد سے ۱۳۰۱ھ میں شائع ہوا، دکن سے ایک اور ترجمہ مولوی محمد سلیم دہلوی کا ۱۳۰۱ھ میں حیدرآباد سے شائع ہوا، جو بقول مولانا عبدالقدوس ہاشمی ندوی ترجمہ نہیں تلخیص ہے اور زبان کی خامیوں سے پُر ہے۔ (ترجمہ مولانا عبدالقدوس ہاشمی ندوی)

اس کے بعد ۱۹۶۶ء میں مولانا عبدالقدوس ہاشمی ندوی نے اس کا ترجمہ کیا جو کراچی سے پھر ۱۹۸۱ء میں محکمہ اوقاف کراچی کی طرف سے شائع ہوا۔

مجلہ کی ایک اہم شرح جو علامہ محمد خالد اتاسی کی تصنیف ہے اس کا ترجمہ ۱۹۰۶ء میں ادارہ تحقیقات اسلامی پاکستان نے شائع کیا ہے، یہ مفتی احمد علی کا ترجمہ ہے، البتہ مکمل نہیں ہے، بلکہ اس کا پہلا حصہ قواعد فقہیہ سے متعلق باب کے ترجمہ پر مشتمل ہے۔

مجلہ کے تین انگریزی ترجمے بھی شائع ہوچکے ہیں۔

غرض مجلہ کی تدوین سے نہ صرف اس وقت کی اہم ضرورت کی تکمیل ہوئی بلکہ اس سے فقہ اسلامی کے مردہ جسم میں بجلی کی لہر سی دوڑ گئی۔

☆☆☆☆☆

جائزہ

امریکی معاشرہ

مشاہدات کے آئینہ میں

از ..... سلمان نسیم ندوی

کولمبس نے ۱۴۹۲ء میں امریکہ کو دریافت کیا، یہیں سے امریکہ کے انکشاف کی تاریخ شروع ہوتی ہے، بلاشبہ سائنس وٹکنالوجی، قوت واستعمار، نسل کشی ودراندازی، دولت وثروت کے ذریعہ اس تاریخ نے وہ مقام حاصل کرلیا ہے جس کو "بام عروج" سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، یہ اس تاریخ کا سب سے دلکش وپرکشش پہلو ہے، لیکن دوسری طرف اس تاریخ نے خدا فراموشی، مادہ پرستی، قتل وغارت گری، بداخلاقی وبداطواری میں بھی وہ تاریخی ریکارڈ قائم کئے ہیں جس کی مثال معاصر تاریخ میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے، یہ اس تاریخ کا بدصورت اور بدنما چہرہ ہے جس کے اوپر ترقی وتمدن کا حسین غازہ ڈال دیا گیا ہے۔

ان دونوں تاریخی حقیقتوں کے ساتھ ہی ایک تیسری کائناتی حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیے جو ازل سے اٹل ہے کہ قوموں کا اخلاقی زوال اس کے مادی زوال کا پیش خیمہ ہوتا ہے، درج ذیل مضمون میں تفصیل سے امریکی معاشرہ کا جائزہ لیا جائے گا تاکہ اس سے محسوس کیا جاسکے کہ ستاروں پر کمند ڈالنے والی تاریخ کی الٹی گنتی کتنی جلد شروع ہونے والی ہے۔

اعداد وشمار پیش کرنے سے پہلے ہم نے مناسب سمجھا ہے کہ آپ کو امریکی معاشرہ کی سیر کرائیں، اس سیر وسیاحت کی خوبی اور امتیاز یہ ہے کہ یہ سیر ہم اپنی کوتاہ نظروں سے نہیں کریں گے بلکہ ان کی تحریروں کی روشنی میں کریں گے جو جہاں دیدہ ہیں اور انہوں نے اس سرزمین کو قریب سے دیکھا ہی نہیں پرکھا ہے، اس لئے کہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے ۱۹۷۷ء میں ریاستہائے متحدہ امریکا کا سفر کیا تھا، یہ سفر ہاٹن نیویارک سٹی سے شروع ہوکر شیکاگو پر ختم ہوا، نیویارک، جرسی سٹی، فلاڈلفیا، بالٹی مور، بوسٹن، شیکاگو، ڈٹرائٹ، سالٹ لیک سٹی، سان فرانسسکو، سان جوزے، لاس انجلس (کیلی فورنیا) مونٹریال، کناڈا اور واشنگٹن یہ سب اس دورہ میں شامل تھے، اس سفر کی بصیرت افروز، معلومات افزا اور تاریخی حس سے بھرپور مفصل روداد مولاناؒ کے رفیق سفر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے تحریر فرمائی ہے، یہ روداد "دو مہینے امریکہ میں" کے نام سے طبع ہو کر متداول عام ہوچکی ہے، پوری کتاب معلوماتی اور دلچسپ ہے، لیکن ہم یہاں پر اس کتاب سے صرف ان حصوں کے اقتباس پیش کرتے ہیں جن سے امریکی معاشرہ پر روشنی پڑتی ہے۔

اس سفر کے یہ مشاہدات اس لئے بھی زیادہ اہم اور وقیع ہیں کہ یہ سفر اس عظیم شخصیت کی قیادت ورہنمائی میں مکمل ہوا تھا جن کی مغربی تہذیب، مغربی معاشرہ اور مغربی نظام پر تنقید وتبصرہ علمی وفکری حلقوں سے داد وتحسین وصول کرچکا تھا، اور اس لئے بھی کہ یہ سفر سیاحت کے لئے نہیں تھا بلکہ اس کا مقصد ومحرک ہی دینی، تعلیمی اور دعوتی تھا، اور اس روداد کا خالق ایک ایسا صاحب بصیرت بیدار مغز صحافی تھا جن کی فکر وتحریر کا توازن وغیر جانبداری معروف ہے۔

مغربی تہذیب میں انسان کی حیثیت

مولانا تحریر فرماتے ہیں:

"..... مغربی تمدن کا علمی اور نفسیاتی جائزہ لینے والے سب اس بات پر متفق ہیں کہ اس میں انسان کی حیثیت مشین کی بن گئی ہے کہ ایک مشین کے دل میں دوسری مشین کے لئے نہ اخلاص ہوتا ہے نہ محبت اور نہ اس کے کسی حصہ جسم میں لطیف انسانی احساسات کا کوئی گوشہ ہوتا ہے اور نہ کوئی گنجائش، یہاں ساری مغربی دنیا کا معاشرہ ایک تجارتی کمپنی کے اصولوں پر عامل ہے جس میں ایک حصہ دار دوسرے حصہ دار سے اپنے اور اس کے حصہ کے باہمی تعلق کی بناء پر تعلق رکھتا ہے، یہ مشترکہ مادی منفعت جس وقت بھی ختم ہوجائے دونوں مطلقاً بے تعلق ہوجاتے ہیں، طلاق کے اسباب کا جائزہ لینے سے اس کا ثبوت ملتا ہے"۔ (ص: ۲۵۶)

یہ سب بے حد چور ہیں

مولانا چوری کا ایک واقعہ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"..... وضو کرتے ہوئے سید مظہر حسین صاحب نے واش بیسن کے اوپر کی کارنس پر اپنی گھڑی رکھ دی اور وضو کرکے اُٹھانا بھول گئے اور نماز کے خیال سے باہر آگئے لیکن پہونچتے ہی یاد آیا فوراً واپس گئے تو گھڑی غائب تھی، وہاں کے ملازم سے پوچھا، اِدھر اُدھر دریافت کیا سب بے سود نکلا، انچارج سے ذکر کیا تو اس نے کہا کہ ہم خیال رکھیں گے، اگر کہیں ملی تو مطلع کریں گے، بہرحال مایوس واپس آنا پڑا، ہم لوگوں کی نظر میں یہ اہم واقعہ تھا کیونکہ امریکہ کی تہذیب وتمدن کو اوپر سے دیکھنے والے کو ہماری طرح یہ حسن ظن ہوتا ہے کہ چھوٹی چیزوں کی یہ چوری کیا کریں گے لیکن لوگوں نے بتایا اور گہرے مشاہدے سے معلوم ہوا بھی کہ یہ سب بے حد چور ہیں، اور یہی کیا بلکہ دنیا کہ وہ سب لوگ جو آخرت وخوف خدا سے عاری ہیں، زندگی کی کسی تعویت اور بُرائی سے دور نہیں، اور کیوں ہوں جس کو آخرت پر ایمان نہ ہو وہ یہاں کی زندگی کو کیوں سنوارے

اور پرہیز میں گذارے، چنانچہ یہ لوگ صرف یہی نہیں کہ ان برائیوں کا ارتکاب کرتے ہیں بلکہ ان میں کچھ عیب بھی نہیں سمجھتے، بس ان کا اصول یہ ہے کہ پکڑے نہ جائیں اور برائی کا الزام بھی نہ لگے، اور الزام نہ لگنے کی بات آدمی صرف اپنے متعلق چاہتا ہے، اگر یہ الزام دوسرے پر لگتا ہے یا وہ پکڑا جاتا ہے تو حرج نہیں، اس کی سب سے بڑی مثال یہ ہے کہ نیویارک میں بجلی غائب ہوئی تو وہ اودھم مچا کہ الامان الحفیظ، لوگ دوکانوں کو توڑ کر قیمتی اشیاء بغلوں میں دبائے جاتے نظر آتے تھے اور پولیس کسی کو پکڑتی تھی تو وہ برا مانتا تھا کہ اس میں کیا عیب؟ جیسے کہ ہمارے برصغیر میں پتنگ کٹنے پر بچوں کا ایک انبوہ جھپٹ پڑتا ہے اور پتنگ کا مالک اس کی ملکیت ثابت کر کے پتنگ واپس نہیں لے سکتا....."۔(۲۹۹)

جرم وچوری کی ذھنیت

مولانا رقمطراز ہیں:

"..... یہاں اخبارات عوام کی رائے اور رجحانات کا پتہ چلانے کے لئے کچھ کچھ عرصہ کے فرق سے مختلف امور کے سلسلہ میں رائے شماری کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح ملک کو چلانے کے لئے پڑھے لکھے طبقہ کو برابر عوام کے رجحانات کے رخ اور سطح کا علم رہتا ہے، جس سے حکومت اپنے نظم وسیاست میں اور تاجر اپنے طریقۂ تجارت میں فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں، ایک اخبار نے یہ سوالنامہ جاری کیا کہ بتایئے آپ کو کسی وقت اگر چوری کرنے کا موقع ملے اور پکڑے جانے کا خطرہ نہ ہو تو آپ کا رویہ کیا ہوگا، اس کے جواب میں تقریباً ۳۰-۴۰ فیصد آرا میہ آئیں کہ ہم ضرور چوری کریں گے....."۔(۳۰۰)

نیویارک کی بجلی فیل ہونے کا واقعہ اور لوٹ

مولانا لکھتے ہیں:

"..... یارک ٹاؤن بلڈنگ میں قیام کے دوران نیویارک سٹی میں بجلی ایک رات غائب ہو جانے کا واقعہ پیش آیا، ۱۴ر جولائی کو دن میں ایک دوست نے بتایا کہ آج نیویارک ٹائمز نہیں آیا کیونکہ رات میں نیویارک سٹی پاور ہاؤس پر بقول اس کے بجلی گری تھی، جس میں ہاٹن جو کہ نیویارک کا قلب شہر ہے تاریک ہو گیا اور خوب لوٹ مار ہوئی، پولیس نے ڈیڑھ ہزار آدمیوں کو جرم کرتے ہوئے پکڑا، دوکانیں توڑ توڑ کر مال لوٹا گیا تقریباً ۴ر کروڑ ڈالر کا مال چوری گیا اور ۴ر کروڑ کا مال چوری کی کوششوں میں برباد ہوا اور ایسی خراب اور بدنما تصویر سامنے آئی جس میں امریکن تہذیب اپنی پوری گندگی کے ساتھ برہنہ نظر آنے لگی۔

بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ پاور ہاؤس پر بجلی نہیں گری تھی، یہ پاور ہاؤس کے مالکوں کی شرارت ہے، ملازمین کے مطالبات کو ختم کرنے کے لئے انھوں نے خود بجلی خراب کر دی تھی تا کہ اس سے وہ انتظامی وسیاسی فائدہ اٹھا سکیں اور زبان بند کر سکیں، امریکہ کے تمدن کی طمع کاری کے پیچھے یہ سب کچھ ہوتا ہے....."۔(۳۲۰)

امریکہ کی سفاکانہ زندگی اور چند مثالیں

امریکی صحافت کا امریکی معاشرہ پر تبصرہ، مولانا کے قلم سے:

"..... جنسی زندگی کا بگاڑ اور بے محابا آزادی اور ان کے مہیب نتائج جن کی گذشتہ صفحات میں بعض مثالیں دی گئی ہیں، دوسری طرف فریب، چوری، زور دستی اور مار دھاڑ یہ سب موجودہ امریکی زندگی میں ایک فیشن بنتا جا رہا ہے، جب ٹیلی ویژن کی عکاسیاں اور اخبارات کی خبریں جنسی واقعات، قتل اور مار دھاڑ کی سرخیاں دکھاتی ہوں اور دوسری طرف مال ومتاع کی ہوس پوری طرح چھائی ہوئی ہو اور مذہب کی محبت جو دنیا کی محبت کم کرتی ہے موجود نہ ہو تو بلاشبہ وہی نتائج سامنے آنے چاہئیں جن کی واضح علامتیں اس وقت امریکی زندگی میں نظر آ رہی ہیں اور اس کا بڑا میدان ملک کے زیادہ ترقی یافتہ حصے بن رہے ہیں، امریکی ذہن ایک طرف جنسی بے راہ روی کے خطرناک نتائج سے پریشان ہونے لگا ہے، دوسری طرف قتل اور لوٹ مار سے گھبرایا ہوا ہے، کیونکہ وہاں گھومنے پھرنے والے آدمی کو یہ پتہ نہیں چلتا کہ کس وقت کوئی قاتل ہاتھ اس کو نشانہ بنائے گا، خواہ نیویارک میں ہو یا لاس انجلس میں، شیکاگو میں ہو یا بوسٹن یا کسی اور شہر میں، اس کی دلیل کے طور پر ذیل میں ٹمپل یونیورسٹی کے ایک مقامی اخبار نیوز کی ۳ر جولائی ۷۷ء کی اشاعت کا اقتباس پیش کیا جا رہا ہے، اخبار نے ایک سُرخی قائم کی ہے "نیویارک خوف کی گرفت میں" اخبار نے لکھا ہے:

"امریکہ کا سب سے بڑا شہر خوفزدہ ہے، امریکہ کا سب سے بڑا شہر کانپ رہا ہے، اس لئے کہ وہ شخص جس نے اپنا نام سام زادہ رکھا ہے، تیرہ آدمیوں کی جان لے چکا ہے، اور یہ تیرہ آدمی وہ ہیں جو ابھی زندگی کی خواہش اور ایک دوسرے سے محبت وتعلق کا آغاز ہی کر رہے تھے، سام زادہ نام کا یہ شخص اس وقت نیویارک کی تاریخ کا سب سے بڑا قاتل شکاری بن چکا ہے.....

نیویارک کے میئر "ابراہام بیم" نے اس سام زادہ کو نمبر اول کا مطلوب شخص قرار دیا ہے، سٹی پولیس کے ۲۸ر ہزار جوان، ۳۰۰ پولیس افسران اور ایک سو مزید پولیس کے آدمیوں کو اس کے پکڑنے کے لئے چست کر دیا ہے، ٹیلیفون اور اخبارات اس کے تذکرے کر رہے ہیں، اور بوسٹن کے گذشتہ دنوں کے اسی طرح کے ایک قاتل سے اس نئے قاتل کا موازنہ کر رہے ہیں، یہاں نیویارک کے قلب میں اس سام زادہ کے قصے اندرون زمین ٹرینوں میں، بسوں میں، ریلوں میں، ہوٹلوں کی نشست گاہوں میں، چائے خانوں میں اور بہت مصروف سڑکوں کے کناروں پر بیان کئے جا رہے ہیں"۔

آگے چل کر رپورٹ کہتی ہے:

"اس قاتل کے تمام حملے ان نوجوانوں پر ہوئے جن کی عمریں ۲۰ر سال کے آگے پیچھے تھیں، اور سوائے

ایک خاتون کے جو ٹہلتی ہوئی اپنے مکان جا رہی تھی تمام افراد وہ تھے جو اپنی ٹھیرائی ہوئی کاروں میں دوستوں کے ساتھ سکون کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے"۔

"اپنے ایک بالکل تازہ خط میں سام زادہ نے دھمکی دی ہے کہ میں پھر حملہ کروں گا، چنانچہ اس شہر کا دھیان اب ہر وقت یہ رہنے لگا ہے کہ یہ سام زادہ اگلا حملہ کہاں کرتا ہے، یہ شہر کا سب سے بڑا سوال ہے"

اسی اخبار نے سرخی لگائی ہے کہ نیویارک سٹی کی عورتیں کہتی ہیں کہ وہ شہر میں نکلنے سے خوف زدہ ہیں، اخبار نے یہ بھی اشارہ دیا ہے کہ غالباً یہ سام زادہ اس شخص کے نقش قدم پر چل رہا ہے، جس نے ۱۹۵۸ء میں سام کے نام سے شیکاگو میں تباہی مچائی تھی۔

اسی طرح کے حالات کے سلسلے کا ایک دوسرا اقتباس پیش ہے جو نیویارک ٹائمز کی ۵ر جولائی ۷۷ء کی اشاعت سے لیا جا رہا ہے، اخبار مذکور لاس انجلس، کیلی فورنیا کی ایک خبر میں ذکر کرتا ہے کہ:

"ہم جنسی کی عادت میں مبتلا دو شخص دوسرے قتل کے جُرم میں ماخوذ ہو کر ایک عدالت میں پیش کئے گئے ہیں، پولیس کا کہنا ہے کہ ان پر مزید ۲۶ر قتل کے ارتکاب کا بھی الزام آتا ہے، یہ قتل مختلف اوقات میں عام طور پر کمسنوں کے کئے گئے ہیں، خبر میں آگے چل کر کہا گیا ہے کہ ۲۸ر افراد کے قتل کا یہ کیس پوری قوم کی تاریخ میں مجرمانہ وسعت کے لحاظ سے اب تک کا سب سے بڑا کیس ہے"۔

یہ مذکورہ خبر جنسی بے راہ روی اور قتل وسفاکی کی عجیب وغریب مثال ہے، جس میں دوسروں کی جانیں محض نفس کی تسکین کے لئے لی گئی ہیں، ایک دوسرا نمونہ ملاحظہ ہو۔

ایک شخص قتل کے جرم میں عدالت میں پیش کیا گیا، اس نے سڑک کے کنارے ایک عمارت پر چڑھتی ہوئی ایک معمر خاتون کو گولی کا نشانہ بنایا تھا اس سے عدالت نے جب وجہ دریافت کی تو اس نے کہا میں صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ میرا نشانہ کیسا لگتا ہے، یہ شوق کہاں سے پیدا ہوا؟ ظاہر ہے کہ ٹیلیویژن سے۔(ص:۳۲۳)

حیاسوزی واختلاط

مولانا فرماتے ہیں:

"سوئمنگ پولوں (غسل کے حوض) یا بیچ (ساحلوں) پر تو جانوروں جیسی بے لباسی وبے تکلفی عام ہے، ماؤں کو اپنے بچوں کی موجودگی سے بھی شرم نہیں اور لڑکیوں کو اپنے والدین کی موجودگی کی پرواہ نہیں، بلکہ ماں باپ اپنے لڑکوں کے لئے یہی آداب مناسب سمجھتے ہیں، وہ اپنی نوخیز اولاد کے لئے سن کے فرق کے ساتھ آپسی کی دوستیوں کو ضروری اور مصلحت کے قرین جانتے ہیں، ایسا نہ ہونے پر ان کو تشویش ہوتی ہے، لہٰذا ایسیاں کے ماں باپ خود بھی نوخیز لڑکوں، لڑکیوں کی آپس کی دوستیوں اور تفریحات کے لئے تنہا جانے کو (جس کو یہاں ڈیٹنگ سے تعبیر کیا جاتا ہے) پسند کرتے ہیں، اور اگر کسی لڑکے یا لڑکی کی زندگی میں اس کی کمی نظر آتی ہے تو ان کو تشویش ہوتی ہے کہ کہیں اس کی اپنے ہم عمروں میں نامقبولیت کی دلیل تو نہیں ہے، امریکہ میں لڑکوں، لڑکیوں کے آزادانہ اختلاط اور ڈیٹنگ (یعنی تنہا کہیں گھومنے جانے کا پروگرام) کی کثرت ہی کا نتیجہ ہے کہ ناجائز تعلقات کی بھرمار ہو چکی ہے، اور اس کے سنگین نتائج اس کثرت سے سامنے آ رہے ہیں کہ اخبارات تک اس پر اپنی پریشانی کا اظہار کرنے لگے ہیں۔

ناجائز تعلقات کے نتائج

اختلاط کے نتائج بد کی کثرت کا اندازہ اس جائزہ رپورٹ سے کیا جا سکتا ہے، جو ایک امریکی ادارے نے کیا ہے، اس نے لکھا ہے کہ ایک سال کی مدت میں کم عمری ہی میں بن بیاہی لڑکیاں دس لاکھ سے زیادہ تعداد میں ماں بننے کے حالات سے دوچار ہوئیں، جن سے چھ لاکھ کی تعداد میں بچے پیدا ہوئے، رپورٹ میں یہ جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے کہ بن بیاہی ماؤں کے بچے پیدا ہونے کے بعد عام طور پر وہ مرد جو اُن بچوں کی پیدائش کے باعث بنے، ان سے ترک تعلق کر لیتے ہیں اور تنہا ان چھوٹی عمر کی ماؤں پر ذمہ داری پڑ جاتی ہے، اس نئے بوجھ میں ان کا ہاتھ بٹانے والا کوئی نہیں ہوتا، چنانچہ ان لڑکیوں کو کم عمری ہی میں روزگار کی فکر کرنا پڑتی ہے تا کہ خود اپنی اور اپنے بچے کے مصارف کا نظم کر سکیں۔

فلاڈلفیا انکوائرر مورخہ ۱۰ر جولائی ۷۷ء میں سرائیور یونس کینیڈی (Y.KENNEDY SURVEYOR) نے اپنے ایک مضمون میں کم عمر عورتوں کے مذکورہ مسئلہ کے بارے میں مضمون لکھتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ کم عمر عورتوں کی اس بڑی تعداد کا ایک سال کے اندر اس میں مبتلا ہو جانا بہت غیر معمولی بات ہے، بعض مفکروں نے اس کو وبا سے تعبیر کیا ہے اور بعض نے طاعون سے، اور لوگ چیخ اٹھے ہیں کہ کچھ کرنا چاہیے، بڑوں کی ذمہ داری ہے کہ نئی نسل کی رہنمائی کریں اور سمجھائیں۔

مضمون نگار نے آگے چل کر لکھا ہے کہ اس میں محض نئی نسل کو قصوروار قرار دینا صحیح نہیں ہے جبکہ ہم نے جنسیات کو تجارت کی ترقی کا ذریعہ بنا لیا ہے، ٹوتھ پیسٹ سے لیکر DOOD ORANTS تک، کپڑوں سے لیکر کاروں تک ہم اپنی مصنوعات میں ان پہلوؤں کو نمایاں کر کے فروخت کرتے ہیں جو جنس کے دائرہ میں اثر انداز ہوتی ہیں، زندگی کے آزادانہ طریقے سے ہم نے وہ فضا بنا دی ہے کہ طلاق، حمل، اسقاط جیسی خبروں سے اس طرح باخبر کیا جاتا ہے جیسے موسم کے حالات سے۔(ص:۳۳۵)

امریکہ کی تمدنی وسعت

مولانا نے امریکہ کی تمدنی وسعت کا تذکرہ کرنے کے بعد اس کی تمدنی خرابیوں کے جو ریکارڈ اس وقت (۷۳ء) دستیاب تھے، اس کو ذکر کیا ہے:

☆ قتل اوسطاً ایک لاکھ سے زیادہ ☆ عصمت دری پانچ لاکھ ☆ لوٹ مار کے واقعات چار لاکھ کے قریب

☆دیگر جرائم کی فہرستیں اس کے علاوہ ہیں (ص:۲۹۷)

مولانا کا تاثر اور پیشین گوئی

"..... اور اب تو مغربی تہذیب کے فروغ نے مشرقی ممالک کو بھی بہت کچھ اپنا جیسا بنالیا ہے، یورپ وامریکا کی کون سی بُرائیاں ہیں جو ذرا کم مقدار میں سہی مشرق کے بڑے بڑے شہروں میں نہیں مل سکتیں۔ یہ دور تو مغربی تہذیب کے تسلط وفروغ کا دور ہے، جس تیزی سے دنیا اس کے رنگ میں رنگتی جارہی ہے اس سے اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ دن دور نہیں کہ مشرق ومغرب میں کوئی فرق نہیں رہ جائے گا اور ایک مرتبہ پھر دنیا اپنی قدیم جاہلیت کی طرف پوری طرح لوٹ جائے گی، اس حالت میں خدا کی طرف سے پکڑ اور عذاب آنے کا بڑا خطرہ ہے، ایسی صورت میں کوئی بھی تہذیب اور اس تہذیب کے علم بردار صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیے جاتے ہیں، اور خدا کے اس فرمان کا ظہور ہوتا ہے کہ "کم تو کوا من جنات وعیون وزروع ومقام کریم ونعمة کانوا فیها فاکهین"۔ (ص:۲۱۷)

قارئین کرام! چمکتی دمکتی دنیا کی یہ سیاہ روداد جو آج سے تقریباً تین دہائی قبل صفحۂ قرطاس پر بکھر گئی تھی آپ کے سامنے اس لئے پیش کی گئی ہے تاکہ آپ ادراک کرسکیں کہ جو خرابیاں ہمیں آج نظر آرہی ہیں وہ نومولود نہیں ہیں بلکہ اس تہذیب اور معاشرہ کی بنیاد ہی میں لادینیت، الحاد، مادہ پرستی اور نفع اندوزی ہے، اور جس چیز کی بنیاد غلط ہو اس کی اصلاح اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اس بنیاد کی اصلاح نہ کردی جائے، ﴿الذی خبث لا یخرج الا نکدا﴾

چنانچہ اس تاریخ نے اس روداد کے لکھے جانے کے بعد جتنی ترقی "فتوحات" میں کی ہے اس سے کئی گنا زیادہ ترقی انحطاط وبگاڑ میں کی ہے جس کا مشاہدہ آپ آئندہ کریں گے.....

(جاری)

(بقیہ صفحہ:۲۷ کا)..... وسائل واطلاعات کا وہ طوفان جو سیاہ آندھی سے زیادہ سخت اور سیلاب کی طغیانی سے زیادہ شدید ہے جو ہر طرف سے امت کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہے اور اس کا وار کسی ٹولی یا فرقہ یا مدرسۂ فکر پر نہیں ہے، اس بستی کو غرق کردینا چاہتا ہے جس میں یہ مدرسے، یہ دارالعلوم یہ جامعات اور یہ مراکز قائم ہیں، ہم میں کم لوگ ہوں گے جن کو معلوم ہے کہ وسائل اطلاعات جن کو کہا جاتا ہے، سنیما، ریڈیو، اور اب ڈش انٹینا خواہ آپ کے گھروں میں نہ ہوں، مگر آپ کے محلّہ کی گلیوں، بازاروں اور چائے خانوں، ریستورانوں میں موجود ہیں، آپ اپنی آنکھیں بند کرلیں، کان میں روئی ڈال لیں، نفرت سے رخ پھیر لیں مگر کیا اپنی نسلوں کو بھی اس سے محفوظ کرسکتے ہیں، اکبرالہ آبادی نے خوب کہا تھا۔

حرم سرا کی حفاظت کو تیغ نہ رہی
تو کام دیں گی یہ چلمن کی تیلیاں کب تک

اب ہم آپ کا زیادہ وقت نہیں لیں گے بلکہ عرض کریں گے کہ جو کچھ پیش کیا گیا خصوصاً یہ اقتباس بالا اس سے اگر آپ چونکے ہوں، دل کی دھڑکن بڑھ گئی ہو اثر اور اعصاب میں جھرجھری پیدا ہوئی ہو تو کتاب ہاتھ میں لیجئے اور پڑھئے خود جاگئے اور جگائیے چوکیے اور چونکائیے۔

چلتے چلتے کتاب کے چند عنوانات اور پڑھ لیجئے:

آزادیٔ گفتار کے پردے میں، بیداری کا خوف، اخلاقی ایڈز، خونِ بشر کی ارزانی، سچی بات، درس عبرت، آنکھوں والے عبرت حاصل کریں، کلمۂ خبیثہ کا انجام، اسلام کا سب سے بڑا معجزہ، لبرل اور بنیاد پرست، آیات الٰہیہ سے گریز۔

اس کتاب کا مطالعہ بالخصوص مدارس عربیہ کے ان طلبہ کے لیے بہت مفید ہے جو تحریر وصحافت کا ذوق رکھتے ہیں۔

ناشر: دارعرفات تکیہ کلاں، رائے بریلی

ملنے کے پتے:

(۱) مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ

(۲) مکتبہ ابوالحسن، اردو بازار، جامع مسجد دہلی

☆☆☆

نام کتاب: **اخلاقِ گمشدہ**

مصنف: محمد عالم ندوی (معلم شعبۂ اردو مہاراشٹر کالج ممبئی)

قیمت: ۶۰ روپے

ملنے کا پتہ: امین بلڈنگ، ابراہیم رحمۃ اللہ روڈ، جے جے ہسپتال جنکشن ممبئی-۳

برادر عزیز ومکرم مولوی محمد عالم ندوی (برادر مکرم لکھنے کی جسارت اس لیے کہ ندوہ کی زندگی میں ہمارا ان کا چھوٹے بڑے بھائی کا ساساتھ رہا) اپنے زمانۂ طالب علمی میں سنجیدہ طلباء میں تھے، ندوہ سے فراغت کے کچھ عرصہ بعد ممبئی مہاراشٹر کالج میں اردو کے استاذ کی حیثیت سے تعلیم وتدریس کا کام شروع کیا اور کامیاب ومحترم استاد رہے اس عرصہ میں سماج میں پھیلی ہوئی خرابیوں، خیانت، بداخلاقی، دھوکہ دہی، عہد شکنی، مطلب پرستی، دیگر گھریلوں اور سماجی بگاڑ کو موضوع بنا کر مختصر بہت مختصر دل کے تاروں کو چھیڑنے اور غور وفکر پر آمادہ کرنے والے مضامین لکھتے رہے۔

ہر مضمون کی سرخی کسی حدیث یا آیت کی اخلاقی تعلیم کو شعری سانچے میں ڈھال کر اسی شعر کے ایک بند سے شروع کرتے ہیں اور شعر پر ختم کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے یہ مضامین بڑے مؤثر اور دل کو چھو لینے والے ہیں، ان کے مطالعہ سے ذرا کا تاہٹ نہیں ہوتی نہ ذہن پر کچھ بار پڑتا ہے، جیسے کسی وسیع پارک کی رنگ رنگ کے پھولوں سے گل وگلزار کیاریوں کی سیر کا لطف ان حسین کیاروں کے بیچ محوِ خرام باذوق شخص کو آتا ہے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے قلم سے خوب خوب اصلاح وتربیت کے کام لے اور ان کے شاگرد اور رفقائے کار کو بھی ان کے بکھیرے ہوئے قلمی پھولوں کی مہک نہ صرف محسوس ہو بلکہ ان کے مشام جاں کو معطر کرے۔

اللھم اصلح لنا شاننا کله ولا تکلنا الی انفسنا طرفة عین۔

☆☆☆☆☆

ایک مطالعہ

"مشاہدات وواردات"

(مولانا عبداللہ عباس ندوی)

از ..... شمس الحق ندوی

یہ کتاب مولانا عبداللہ عباس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاہ کار اسلوب تحریر اور دلکش انداز بیان وتعبیر میں ان اداریوں اور مضامین کا مجموعہ ہے جو مولانا نے تعمیر حیات کے لیے لکھے تھے، کتنے دمکتے ہوئے موتی اور دل کو چھو لینے والے نقوش قلم فائلوں میں دب کر رہ جاتے ہیں اس لیے مولانا کے صاحبزادہ عزیز مکرم ضیاء عبداللہ ندوی سلمہٗ کو مولانا کی حیات ہی میں ان شہ پاروں کو کتابی شکل میں شائع کرنے کا خیال آیا اور خیال خیال ہی نہ رہا بلکہ عملی کام شروع ہوگیا جو تکمیل کو پہنچا اور ناظم صاحب ندوۃ العلماء مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے اس پر مقدمہ تحریر فرمایا جن کو مولانا کی دیرینہ رفاقت ہی نہیں حاصل رہی بلکہ دونوں ایک دوسرے کے مقام ومرتبہ سے واقف، دل سے قدردان اور محبت واکرام کا معاملہ رکھتے رہے، تقدیری بات کہ کتاب منظر عام پر آنے سے پہلے ہی مولانا کی شمع حیات جو کئی برسوں سے جھلملا جھلملا کر بھڑک اٹھتی تھی عین حج کے ایام اور حجاز مقدس ہی میں گل ہوگئی۔

مولانا حیات ہوتے تو اس کم مایہ کو اس کتاب پر کچھ لکھنے کی جرأت قطعاً نہ ہوتی، اپنے لیے شرف وسعادت سمجھ کر یہ سطریں نظر قارئین کررہا ہوں۔

کتاب کے جلی عنوانات یہ ہیں: دین کے تقاضے اور مسلمان، ہندوستانی مسلمان اندیشے اور آزمائشیں، بین الاقوامی سازشیں اور اسلام، سیاست اور حکومتیں، حالات حاضرہ اور ہماری ذمہ داریاں۔

قارئین کرام کے ہاتھوں میں تعمیر حیات پہنچے گا تو رمضان المبارک کے موسم بہار کا زمانہ شروع ہوچکا ہوگا دلوں میں ایمانی حرارت، چہروں پر بھوک پیاس کے باوجود رحمت کردگار کی بشارتیں بلائیں لے رہی ہوں گی، لہٰذا ماہ مبارک کے ایک اداریہ کے اقتباس سے ابتدا کرتا ہوں:

"مبارک ہو کہ زندگی میں ایک بار پھر آپ کو ماہ رمضان کی دولت حاصل ہورہی ہے، ایمان کا موسم اور تقویٰ کی فصل بہار کا زمانہ آگیا، اس موسم خیر وبرکت کے اتنے احسانات ہیں کہ کوئی شمار کرنا چاہے تو شمار نہیں کرسکتا، دلوں میں نرمی، آنکھوں میں نمی، مزاج میں اعتدال پسندی، عفو ودرگزر کی طرف طبیعت کا میلان، دعاؤں کی بہتات اور آنکھوں کی برسات، تلاوت قرآن میں یکسوئی، فرائض کی ادائیگی میں چستی، تراویح کی برکتیں اور تہجد کی لذتیں، مغفرت کی طلب، رحمت کی آرزو، یہ سب رمضان کی سوغاتیں ہیں، دینے والے کی بخشش کا بہانہ اور انداز کرم ہے۔

عشق رہبر ہو تو ملتی ہے تمنا ان کی
بخت یاور ہو تو ہاتھ آتا ہے داماں ان کا

دوسرے جلی عنوان کا ایک اقتباس پڑھئے اور تصور میں لائیے اس دن کا جس دن کوئی کسی کا ساتھ نہ دیگا، عین چھبیس جنوری کو جب پورے ملک میں خوشی منائی جارہی تھی فوجی پریڈ ہورہے تھے جھانکیاں نکل رہی تھیں جھنڈے لہرائے جارہے تھے، اسکولی بچوں کے ترانوں سے فضا گونج رہی تھی گجرات میں زلزلہ آتا ہے اور پورا ملک آن کی آن میں سوگوار ہوجاتا ہے لکھتے ہیں:

"بات ابھی کی ہے اور تازہ ہے، ابھی زخم ہرا ہے اور خون ابھی جما نہیں، ہزار ہا ہزار انسانوں کی اچانک ہلاکت، کروڑوں اور اربوں کی دولت کا آناً فاناً زمین میں دھنس جانا، فلک بوس عمارتوں کا زمیں دوز ہوجانا، بیان کرنے کو چند جملے اور دو سطریں کافی ہیں، لیکن جن پر یہ آفت آئی، اور جو بستیاں تباہ ہوئیں ان کی کیفیات دنیا نے سنی اور لوگ اُف اور آہ کرکے بیٹھ گئے، کسی کے بس میں نہیں تھا کہ کسی کی زندگی میں دو چار لمحات کا اضافہ کرسکے"۔ پھر اخیر کی سطریں پڑھئے:

"دنیا بھر سے زبانی ہمدردی اور عملی امداد کا سیل رواں جاری ہے، لیکن اس دن کو یاد کیجئے جب ایک بھائی دوسرے بھائی کو، باپ اپنے بیٹے کو، شوہر اپنی بیوی کو اور ماں اپنے بچے کو مدد پہنچانے پر قادر نہ ہوگی ﴿یوم یفر المرأ من أخیه وأمه وأبیه وصاحبته وبنیه﴾ (جس روز آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے بھاگے گا) اس مناسبت سے تبصرہ نگار کا یہ اضافہ بھی بے محل نہ ہوگا، ذرا تصور فرمائیے سنامی لہروں کا، بنگلادیش وپاکستان کے سمندری طوفان کا اور بمبئی کے بے سان وگمان سیلاب کا اور اس وقت ہند وچین کی سیلابی تباہ کاریوں کا۔ اور اس وقت بھی اور اس سے پہلے بھی پوری دنیا کو آنکھیں دکھانے والے امریکہ کی بے بسی کا طوفانی موجوں اور آسمان سے ٹوٹ کر برستے بادلوں کے سامنے پھر سوچئے کہ کون ہے جو ان بلاؤں کو روک سکے؟؟

ہماری دینی صحافت کے زیر عنوان اس میں جتنا دم خم ہے اور غیروں سے زیادہ اپنوں پہ جو زور آزمائی ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مقابلہ کا شوق ہے اور زور بازو کی آزمائش مقصود ہے تو ذرا ایک نظر ان رسائل ومجلات کی عمومیت پر بھی ڈال لیجئے جن کا مقصد آپ کے ملی وجود کو نیست ونابود کرنا ہے، ان کا حملہ کسی حنفی، شافعی، اہل حدیث کے خلاف نہیں ہے، ان کا حملہ پوری اس عمارت پر ہے جس پر نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام کندہ ہے۔ (بقیہ صفحہ ۲۶ پر)

وفیات

حضرت مولانا اطہر حسین صاحب مظاہری کی وفات

از ..... محمود حسن حسنی ندوی

جمعرات ۱۲ر جولائی ۲۰۰۷ء کو صبح کے وقت برادر عزیز مولوی سید محمد معاذ حسنی ندوی سلمہٗ نے یہ رنجیدہ اطلاع دی کہ محترمی مولانا سید محمد شاہد صاحب امین العام مظاہر علوم سہارن پور کا فون آیا ہے کہ "حضرت مولانا اطہر حسین صاحب کا انتقال ہوگیا انا للّٰہ وانا الیہ راجعون وللّٰہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل شئی عندہ لاجل مسمی۔

حضرت مولانا اطہر حسین صاحب کا سانحۂ وفات صرف ایک فرد کا سانحۂ وفات نہیں ہے ان کی وفات موت العالم موت العالم ہے، ان کے سینہ میں علم وحکمت کا ایک خزانہ تھا اور لوگ علم ومعرفت کی پیاس ان کے پاس بجھانے آتے تھے وہ ایک محدث، فقیہ، ادیب، شاعر اور باکمال وکہنہ مشق مدرس اور مربی ومزکی نفس بھی تھے، علم تعبیر الرویا میں ان کو خصوصی ملکہ حاصل تھا، مکائد نفس پر ان کی نظر تھی خلوت پسند تھے عزلت نشینی اختیار کر رکھی تھی مسجد اور مدرسہ میں زاویہ نشین رہتے جو ملنے آتا اس سے ملتے البتہ وہ ملنے ملانے میں وقت ضائع کرنا پسند نہیں کرتے تھے وہ مطالعہ میں زیادہ سے زیادہ وقت لگاتے زاہدانہ طبیعت تھی قناعت وتسلیم ورضا کے پیکر تھے لکھنے لکھانے کا مشغلہ بھی رکھتے اور مشورے لینے والوں کو ہدایات ومشورے بھی دیتے، رہنمائی لینے والوں کو نصائح اور وصایا سے بھی نوازتے، عبادات میں خلل واقع نہیں ہونے دیتے تھے انہیں اپنے برادر اکبر حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت وخلافت بھی حاصل تھی جو کہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز خلفاء میں تھے جو کہ حکیم الامت حضرت تھانوی کے مجاز تھے۔

حضرت مولانا اطہر حسین صاحب کی شخصیت گوناگوں صفات وکمالات کی آئینہ دار تھی، انہیں دارالعلوم ندوۃ العلماء اور اس کے ذمہ داروں سے تعلق تھا اور یہاں کی تصنیفات کا وہ باذوق وشوق مطالعہ فرماتے ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی سے اپنی ایک کتاب پر تقریظ بھی لکھائی انہوں نے مظاہر علوم کی تاریخ وشخصیات پر عربی میں منظوم تصنیف بھی لکھی جس میں انہوں نے بڑی فراخ دلی سے ندوۃ العلماء کی بعض اہم شخصیات کا بھی تعارف کرایا، دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ جشن کے موقع پر دارالعلوم دیوبند کی تاریخ کو عربی میں منظوم کر کے خراج عقیدت کے طور سے پیش کیا جو "عقد النحوم فی حیدد العلوم" کے نام سے سولہ صفحہ کا رسالہ ہے انہیں تاریخ کا اچھا ذوق تھا علامہ ابن عابدین شامی کی تالیف شرح عقود رسم المفتی میں مذکور مصنفین اور کتابوں کا ایک تعارف وتاریخ لکھی جس کے ۱۰۶ صفحات ہیں اس کتاب کا نام "عطر الورود لمن یطالع شرح العقود" ہے۔

حضرت مولانا سعادت علی صاحب بانی مظاہر علوم کے سلسلہ علمی پر "شجرۂ سعادت" اور حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے سلسلۂ تلمذ پر "شجرہ طوبیٰ" لکھی اردو ترجمے بھی کئے اس سلسلہ میں "فضائل محمد احمد" نامی کتاب خصوصیت سے قابل ذکر ہے ادب سے اور خاص طور پر عربی ادب سے خصوصی لگاؤ تھا "حریری اور مقامات" کے نام سے مقامات اور اس کے مصنف پر ایک مؤرخانہ ومحققانہ تصنیف بھی ہے ادبی نکات وحکایات اور منتخب اشعار پر مشتمل کتاب "بہجۃ الادب" تالیف کی اور بھی تصنیفات ہیں جن میں علامہ دمیری کی "حیاۃ الحیوان" کی تلخیص "نخبۃ البیان" اور علامہ ابن ہمام کی "زاد الفقیر" کی شرح "فتح الکبیر" اور قصص اخبار پر "تنبیہ الاخبار" ہیں۔

مولانا اطہر حسین صاحب نور اللہ مرقدہ کا سانحۂ ارتحال جمعرات کے دن رات کے اخیر حصہ میں سہارن پور سے میرٹھ لیجاتے ہوئے کھتولی میں پیش آیا ان کی ولادت بھی جمعرات کے دن سہارن پور میں ۱۳۵۲ھ میں ہوئی تھی ان کے والد حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے عالموں میں تھے، اجراڑہ ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے اور ان کے استاذ حافظ محمد حسین صاحبؒ اجراڑوی بانی مدرسہ گلزار حسینیہ اجراڑہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے مسترشدین میں تھے۔

حضرت حافظ محمد حسین کے اشارے پر مفتی سعید احمد صاحب مظاہر علوم آئے اور تکمیل تعلیم کی پھر یہیں کے ہو کے رہ گئے، یہی نہیں بلکہ پوری عمر مظاہر علوم کی چہار دیواری میں گزار دی مدرسے کے مفتی اعظم بھی ہوئے اس کے علاوہ اور بھی دیگر ذمہ داریوں پر فائز ہوئے ان کے انتقال (۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء) کے وقت مظاہر علوم کی مجلس منتظمہ نے جو قرارداد پاس کی تھی وہ آپ پر صادق آتی ہے جس کے چند جملے یہ ہیں۔

"وہ جامع کمالات حضرات میں تھے محاسن وفضائل کا مجموعہ تھے، مسائل ومعاملات میں ان کی نگاہیں بہت دوررس تھیں تقویٰ وطہارت کا مظہر صاحب رائے اور صائب الرائے تھے اور بہت سے علمی وعملی مدارج کے باوصف سادگی کے پیکر تکلف وتصنع سے دور اور نام ونمود سے نفور تھے" (ملاحظہ ہو "علمائے مظاہر علوم اور ان کی تصنیفی خدمات جلد دوم، ص:۱۲۲، از مولانا سید محمد شاہد سہارن پوری)

مولانا اطہر حسین صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب سے حاصل کی اور اپنے برادر اکبر مفتی مظفر حسین صاحب سے بھی، بارہ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا، ۱۳۶۹ھ میں مظاہر علوم میں داخلہ لیا، ۱۳۷۳ھ میں دورۂ حدیث شریف پڑھا، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سے صحیح بخاری، سنن ابوداؤد پڑھی اور مسلم شریف حضرت مولانا منظور احمد خاں صاحب سے پڑھی، طحاوی شریف حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب سے اور والد ماجد حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب سے ترمذی شریف، شمائل ترمذی، درمختار اور رسم المفتی پڑھیں، ۱۳۷۵ھ میں مدرسہ مظاہر علوم کے معین استاذ اور ۱۳۷۷ھ میں مستقل استاذ مقرر ہوئے اور پوری زندگی اس خدمت میں گزار دی اور اپنے والد ماجد کی طرح پوری عمر اس چہار دیواری کی نذر کر دی، گذشتہ سال حج کو تشریف لے گئے اور جس تمنا، شوق وذوق اور عشق ومستی میں گئے اور جس محبت ووارفتگی کے ساتھ وہاں رہے اور دونوں دیاروں میں دیدۂ ودل کو فرش راہ کر کے رہے جو انہیں کا حصہ تھا فکر وتڑپ ایسی تھی کہ خود بھی دعا کرتے اور دوسروں سے بھی دعا کے لیے کہتے کہ اللہ تعالیٰ وہاں پہنچادے اور حج وزیارت کرادے دوسرے حج کے آنے سے قبل ہی وہ مالک حقیقی سے جاملے۔

پسماندگان میں صاحب زادے مولانا محمد سعیدی صاحب ناظم ومتولی مظاہر علوم وقف اور مولانا احمد یوشع صاحب مظاہری اور دو صاحبزادیاں ہیں، احفاد میں حافظ محمد سعدان سلمہٗ، مدرسہ ضیاء العلوم تکیہ کلاں رائے بریلی میں عربی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، بارک اللہ فیہ وتقبلہ، اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو مغفرت ورضوان سے نوازے اور درجات عالیہ پر فائز کرے اور سبھی پسماندگان، متعلقین اور محبین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆☆

مکمل اعتماد

.....مقصد خواہ کتنا ہی رفیع ہو، عقیدہ خواہ کتنا ہی مضبوط ہو، جذبہ چاہے جتنا بھی طاقتور ہو، اگر اس کے راستہ پر (جو اس مقصد کے حصول کے لیے ہم نے اختیار کیا ہے) ہم کو پورا بھروسہ نہیں، ہم پورے اعتماد ویقین کے ساتھ اس کی دعوت نہیں دے رہے ہیں، ہمارے لہجہ میں وہ بے خوفی یا وہ استحکام نہیں ہے جو کسی مشاہدہ یا مشاہدہ کے درجہ والے یقین یا اپنے مسلسل تجربہ کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے تو ہماری یہ دعوت کبھی زیادہ وسعت اختیار نہیں کر سکتی۔

لیکن طریقۂ کار، مسلک اور طرز فکر پر یہ یقین تعصب کے ہر شائبہ، انتہا پسندی، مبالغہ آرائی یا سخت گیری کے ہر اثر سے پاک ہونا چاہئے، اس کا رخ تعمیری ہونا چاہئے نہ کہ تخریبی، مثبت نہ کہ منفی، مصالحانہ نہ کہ جارحانہ، اجتماعیت کی روح کے ساتھ نہ کہ انفرادیت پسندی یا خود پسندی کے جذبہ کے ساتھ۔

اگر چلنے والوں کو اپنے راستہ کی سمت اور صحت کا یقین نہیں ہے تو اس کا سب سے پہلا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ ان لوگوں کے نعروں اور ان تحریکوں اور دعوتوں کا شکار آسانی کے ساتھ ہو جائیں گے جو اپنی راہ ومنزل پر نسبتاً زیادہ یقین رکھتی ہیں۔

(مولانا محمد الحسنی ندوی مرحوم)

عربی زبان وقواعد کے شائقین کے لیے ایک نایاب تحفہ

الحمد للہ ایسی کتاب، جس کی ضرورت عرصہ سے محسوس کی جارہی تھی وہ منظر عام پر آچکی ہے، جس کی ترتیب میں نئی نسل کی نفسیات کی رعایت کی گئی ہے۔

تمرین النحو (الجزء الثانی)

مصنف: مولانا عنایت اللہ ندوی، استاذ ندوۃ العلماء، لکھنؤ

(دوسرا ایڈیشن بہتر طباعت اور کچھ جزوی تبدیلی کے ساتھ)

ایسی کتاب جس میں تمام ضروری نحوی مسائل آسان اور جدید عصری اسلوب میں نئی نئی مثالوں اور نحوی ترکیبوں اور ترجمہ وانشاء کی عملی مشقوں کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔

اصل درسیات خرید کر ہمارا تعاون کریں

ملنے کا پتہ: مکتبہ ندویہ - پوسٹ بکس نمبر ۹۳، ندوہ لکھنؤ - یوپی۔

NADWI BOOK DEPOT

P. Box: 93, Nadwa, Lucknow

اپیل

اہل خیر حضرات کی خدمت میں

رمضان المبارک میں ندوۃ العلماء کے لئے مالی تعاون حاصل کرنے کی غرض سے جن اساتذہ و محصلین کو جس شہر یا علاقہ میں بھیجا جارہا ہے اس کی تفصیل ذیل میں دی جارہی ہے، اہل خیر حضرات سے تعاون کی درخواست ہے۔

(مفتی) محمد ظہور ندوی
ناظر شعبۂ تعمیر وترقی ندوۃ العلماء لکھنؤ

نمبر شمار	اسمائے گرامی	عہدہ	علاقہ
	جناب مولانا شمس الحق صاحب ندوی	استاذ دارالعلوم	سرپرست ممبئی
۱	جناب قاری فضل الرحمٰن صاحب ندوی	استاذ شعبۂ حفظ	ممبئی
۲	جناب حافظ عبدالواسع صاحب	استاذ شعبۂ حفظ	مالیگاؤں ممبئی
۳	جناب مولانا عبدالشکور صاحب ندوی	استاذ معہد	ممبئی
۴	جناب مولوی محمد اسمٰعیل صاحب ندوی	استاذ معہد مہپت مئو	ممبئی
۵	جناب مولانا محمد اسلم مظاہری صاحب	استاذ دارالعلوم	مدراس وجے واڑہ
۶	جناب حافظ ظفر الحسن صاحب مظاہری	استاذ شعبۂ حفظ	سورت دھوسیہ واپی بلساڑ
۷	جناب مولوی محمد سلمان صاحب ندوی، مولوی شفیق صاحب باندوی ندوی	استاذ سکروری معہد دارالعلوم	پٹن پالن پور
۸	جناب حافظ محمد عقیل صاحب	استاذ شعبۂ حفظ	حیدرآباد
۹	جناب حافظ محمد ہاشم صاحب	استاذ شعبۂ حفظ	اورنگ آباد جالنا پونہ احمد نگر
۱۰	جناب مولوی محمد انیس ندوی صاحب	استاذ دارالعلوم	بھٹکل، شموگہ، ہمکور
۱۱	جناب زہیر احسن صاحب ندوی و مولانا شمیم احمد صاحب ندوی	استاذ دارالعلوم	بنگلور
۱۲	جناب مولوی محمد مستقیم صاحب ندوی، مولوی ساجد علی صاحب ندوی، اور جناب مولوی اکرام الدین صاحب	استاذ، اشاف، محصل	کلکتہ آسنسول
۱۳	جناب قاری عبداللہ خاں صاحب	استاذ شعبۂ قرأت	دہلی
۱۴	جناب مولوی محمد خالد ندوی گونڈوی صاحب	استاذ دارالعلوم	دہلی
۱۵	جناب مولوی مسعود احمد ندوی صاحب	استاذ معہد دارالعلوم	کانپور

۱۶	جناب مولوی شکیل صاحب ندوی	محرر معہد دارالعلوم	الہ آباد
۱۷	جناب مولوی ناصر الدین صاحب ندوی	استاذ معہد مہپت مئو	اسنڈیلہ غوث گنج
۱۸	جناب سید عبدالرحمٰن صاحب	محرر دارالعلوم	رحیم آباد، فتح پور
۱۹	جناب مولانا ظفر عالم ندوی صاحب	استاذ دارالعلوم	پٹنہ، پھلواری شریف، بہار شریف
۲۰	جناب مولوی جواد الحسن صاحب ندوی/مولوی محمد مسلم صاحب ندوی	استاذ مکتب	بیگوسرائے، بھاگلپور، کھگولیا، سہرسہ وغیرہ
۲۱	جناب مولوی زبیر اعظمی صاحب ندوی	استاذ مکتب	مالدہ، مرشد آباد (بنگال)
۲۲	جناب بسم اللہ خاں صاحب	ناظر مطبخ معہد سکروری	حیدرآباد۔ گونڈہ و اطراف آخری عشرہ
۲۳	جناب مولوی محمد نسیم صاحب ندوی	استاذ معہد سیدنا ابوبکر صدیق مہپت مئو	کانپور
۲۴	جناب مولوی بشیر الدین صاحب	استاذ مکتب	لکھنؤ (شہر)
۲۵	جناب مولوی محمد امتیاز ندوی صاحب	استاذ معہد سیدابی بکر مہپت مئو	لکھنؤ (شہر)
۲۶	جناب قاری بدرالدین صاحب	استاذ شعبۂ حفظ	لکھنؤ (شہر)
۲۷	جناب حافظ مبین احمد صاحب	استاذ مکتب	لکھنؤ (شہر)
۲۸	جناب مولوی عبدالحسیب صاحب	استاذ مکتب	لکھنؤ (شہر)
۲۹	جناب مولوی عبدالمتین صاحب	استاذ معہد دارالعلوم	امروہہ، مرادآباد، سنبھل وغیرہ
۳۰	جناب مولانا شرف الدین صاحب ندوی	محصل شعبہ	ناگپور، بھوپال، مئو، اعظم گڑھ و اطراف
۳۱	جناب مولانا عبدالقدوس صاحب	محصل شعبہ	بنارس، بھدوہی، مرزاپور
۳۲	جناب حافظ عبدالمبین خاں صاحب	محصل شعبہ	سیتاپور، کانپور
۳۳	جناب مولوی عبدالعزیز صاحب ندوی	محصل شعبہ	کرناٹک کے اضلاع
۳۴	جناب مولانا حفظ الرحمٰن صاحب تھانوی	محصل شعبہ	آسام، جھارکھنڈ
۳۵	جناب مولوی محمد رضوان قاسمی صاحب	محصل شعبہ	احمدآباد
۳۶	جناب حافظ امین اصغر صاحب	محصل شعبہ	علی گڑھ آگرہ فیروزآباد سہارنپور بلند شہر سکندرآباد
۳۷	جناب مولانا عنایت اللہ صاحب ندوی	استاذ دارالعلوم	اندور شہر
۳۸	جناب مولوی علیم الدین صاحب ندوی	محصل شعبہ	رتنا گیری، ستارا
۳۹	جناب مولوی مسلم صاحب مظاہری	محصل شعبہ	ہماچل، پنجاب، کشمیر، لداخ
۴۰	جناب مولوی عبدالعزیز صاحب ندوی	محرر دفتر دارالعلوم	میرٹھ، مظفرنگر

Mobile: 9415090544 Shop: 2627446 Res: 2254796

پروپرائٹر: ولی اللہ

WALIULLAH JEWELLERS

All Kinds of Gold, Silver & Diamond Jewellery

ولی اللہ جویلرس

Jutey wali Gali, Aminabad, Lucknow

Mobile: 9415750289 Shop: 0522-2617956

حرمین ٹریڈرس

محمدیہ پروڈکٹس کے پیراسائیکیٹ انٹیمل یوا۔ہ ای۔کلونجی تیل اور کلونجی پروڈکٹس کے اسپیشلسٹ

حرمین بک ڈپو

پرفیومس انٹیمل دوبئی

شہر لکھنؤ کے مختلف مطربات سے معطر

U.A.E. کے مختلف عطریات سے معطر

دکان نمبر 1/6 مسجد مرکز، ڈاکٹر بی۔این۔ورماروڈ، امین آباد، لکھنؤ

ممبئی کے قارئین کی خدمت میں

ممبئی کے قارئین ''تعمیر حیات'' سے گزارش ہے کہ ''تعمیر حیات'' کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔

ALAUDDIN TEA

44, Haji Building S. V. Patel Road
Null Bazar, Mumbai-400003
Tele: Add Cupkettle

Ph: 23460220-23468708

Maqbool Mian Jewellers

مقبول میاں جویلرس

Jutey Wali Gali, Aminabad Lucknow.
Mob: 9415001207-9335726377

CAFE FIRDOS

کیفے فردوس

Partly Air Conditioned

MOGHALAI & CHINESE FOOD

Tel : 23424781-23459921

145, Sarang Street, Crawford Market, Mumbai-400003

Contact:
Mr. M. Afaq : 9919035087
Mr. M. Imran : 9415757256
Mr. Zeeshan : 9336726156

Phone: (S) 2616946
(R) 2627443

ریڈی میڈ مردانہ ملبوسات کا قابل اعتماد مرکز

اعلیٰ کوالٹی، جدید ترین فیشن کے ساتھ

Shirts, Trousers, Coats, Embroidered, Sherwanis, Pullowers, Jackets, Kurta-Suits, Night Suits, Gown & Ties.

شادی بیاہ، تیوہار اور تقریبات کے لئے شاندار ذخیرہ، تشریف لائیں

menmark®

Ultimate Men's Clothing

MFG, Wholesale, Export & Retail

58, Halwasia Market, Hazratganj, Lucknow. -226001

Nadwatul Ulama
P.O. Box No. 93, Tagore Marg,
Lucknow - 226007 (India)

ندوۃ العلماء
ص۔ب۔۹۳ ٹیگور مارگ
لکھنؤ۔۲۲۶۰۰۷ (الہند)

Date _____

التاریخ _____

اہل خیر حضرات سے اپیل

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ ناظم ندوۃ العلماء کی سرپرستی میں اپنی علمی و دینی خدمت میں مصروف ہے۔ طالبان علوم دین کی کثرت کی وجہ سے دارالعلوم میں درجات کی بڑی کمی واقع ہوگئی ہے، جس کی وجہ سے سال گذشتہ داخلے محدود کرنے پڑے، اور جدید طلباء کی ایک بڑی تعداد مایوس ہوکر واپس ہوگئی۔ اس صورت حال کو دیکھ کر مجلس انتظامیہ ندوۃ العلماء نے جدید درسگاہ تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا، اور اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسہ پر یہ تعمیر شروع کرادی گئی ہے۔

اس جدید درسگاہ میں جو تین منزلہ ہوگی پندرہ درجات ہوں گے۔ ہر درجہ ۳۴×۲۵ فٹ کا ہوگا۔ اور اس کے سامنے برآمدہ ہوگا تاکہ طلباء کو تنگی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

اس تعمیر پر ۷۶ لاکھ روپئے کے خرچ کا تخمینہ ہے، جو انشاء اللہ اہل خیر حضرات کے تعاون سے پورا ہوگا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آپ اس اہم ضرورت کی طرف فوری توجہ فرمائیں گے، اور ندوۃ العلماء کے کارکنوں کا ہاتھ بٹائیں گے تاکہ طلباءِ علمِ دین دلجمعی کے ساتھ تعلیم حاصل کرسکیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے کہ اس کی مدد سے یہ اہم کام تکمیل کو پہونچے گا۔

وما ذلك على الله بعزيز

(مولانا) واضح رشید ندوی	پروفیسر وصی احمد صدیقی	(مولانا) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) مفتی محمد ظہور ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	ناظر شعبۂ تعمیر و ترقی ندوۃ العلماء

نوٹ: چیک یا ڈرافٹ پر صرف یہ لکھئے: Nadwatul Ulama

Phone : (91-522) 2741316, 2740151 Fax : 2741231, 2741221
e-mail Address : nadwa@sancharnet.in / website: www.nadwatululama.org